شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیر حیات

۶ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۷۰ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ   قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

Rged No L 1981
FORTNIGHTLY
Phone 22948
TAMEER - E - HAYAT
Daruluoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی
از مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی
چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زماں حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی کی سوانح، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوّف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبّت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔
قیمت Rs 3

مسئلۂ ختم نبوّت — علم و عقل کی روشنی میں
تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء
اس کتاب میں مسئلۂ ختم نبوت کو ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہو جائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدۂ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ فاضلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے!
قیمت:- ۲ روپے ۲۵ نئے پیسے

مُعلّم الانشاء
از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی
انشاء تمام زندہ زبانوں کا اہم مضمون ہے۔ موجودہ جمہوری دور اور صحافتی و مجلسی زندگی نے اس کی اہمیت کو روز روشن کر دیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، ملکوں اور قوموں کے ارتباط و تعلق نے اسکو صرف اجتماعی و ادبی بلکہ دینی اہمیت بھی بخش دی ہے۔ چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے ایک ایسے سلسلے کی ترتیب دی ہے جو عربی مدارس کے اساتذہ کی پوری رہنمائی کرسکے اور عربی مدارس میں تعلیم و انشاء کا نصاب بن سکے۔
کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبد الماجد ندوی) قیمت ۱/۷۵
حصہ دوم (" " " ") " ۲/۶۲
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ۲/۵۰

اردو عربی ڈکشنری
مؤلفہ: مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء
یہ شاندار اردو عربی لغت اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے لاجواب ہے ۱۹۵۵ء میں اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا۔ اس کتاب کی تالیف پر حکومت یوپی نے مصنف کو گراں قدر انعام دیا تھا۔ یہ ڈکشنری علماء، طلباء، اور عربی زبان کے شائقین سب کیلئے یکساں مفید ہے خاص کر مدارس کے طلبہ کیلئے یہ نہایت بیش قیمت تحفہ ہے۔
قیمت:- مجلد [illegible] روپے

الأدبُ العربي
بين عرض ونقد
از مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین عرض و نقد کے نام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔ اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔
ادب کی حقیقت ✤ تنقید و تجزیہ ✤ ادبی نمونے
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے۔
(قیمت صرف چار روپے)

ملنے کا پتہ
مکتبۂ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at NadwaPress Lucknow.

کیا اب کسی کو اس بات کی حاجت نہیں ؟

کیا اب کسی کو اس بات کی حاجت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگذر فرمائے، یا ہمارا مرتبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ سے بڑھ گیا ہے، وہ معصوم نہیں تھے، مگر ہم معصوم ہیں، وہ مغفرت کے حاجتمند تھے، ہمکو اس کی ضرورت نہیں،

مسلمانو ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ و ایمان کا نتیجہ تھا کہ وہ مغفرت کی خوشخبری کو سنتے ہی اپنے دکھ درد کو بھول گئے اور جس کو وہ ساری دنیا سے زیادہ اپنا بدخواہ اور دشمن سمجھتے ہوں گے اس کے ساتھ پھر حسن سلوک کرنے لگے، ایک ہم ہیں جو ذری ذری سی باتوں پر اپنے عزیزوں سے روٹھتے ہیں، بولنا چالنا بند کر دیتے ہیں، ان کی جان و مال، عزت و آبرو کے درپے ہو جاتے ہیں، ان پر مقدمے چلاتے ہیں، مقدموں میں کامیاب ہونے کیلئے جھوٹے گواہ بناتے ہیں، جعلی دستاویزیں تیار کرتے ہیں، عمال کو رشوت دیتے ہیں اور جو ہم میں زیادہ منچلے ہیں وہ حریفوں کو زیر کرنے کیلئے ان کے گھر میں چوریاں کرا دیتے ہیں ان کے گھر میں افیون رکھوا کر پولیس کے ذریعہ ان پر فوجداری کے مقدمے قائم کرا دیتے ہیں جو ان سے بھی زیادہ منچلے ہیں وہ بدمعاشوں کو ہموار کر کے ان کو مروا ڈالتے ہیں اور پھر یہ خوش فہم اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

مولانا سید عبدالحئی (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

چندہ
سالانہ ۸ روپیہ
ششماہی ۴ ؍؍
فی کاپی ۳۵ پیسے

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ
شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۷ شمارہ ۱۹

۶ رجمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ
مطابق
۱۰ اگست ۱۹۷۰ء

اسلام " حسب ضرورت " !

محمد الحسنی

> یہ مضمون آج سے کئی برس پہلے لکھا گیا تھا اور شائع بھی ہوا تھا لیکن آج پورے عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر وہ پہلے سے زیادہ منطبق ہے۔ اس لئے معمولی ترمیم و تلخیص کے ساتھ "اسلام حسب ضرورت" کے عنوان سے اس کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اس آئینہ میں ان لوگوں کو اپنی تصویر کے دونوں رُخ نظر آجائیں گے جن کو وہ "حسب ضرورت" استعمال کرتے رہے ہیں۔

اسلام کی کہانی (خود اس کے اپنے گھر میں) بہت دردانگیز کہانی ہے۔

یہ اس اسلام کی کہانی ہے جو مختلف قسم کی زنجیروں، بیڑیوں اور طوق و سلاسل میں جکڑا ہوا ہے جس کے راستے میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں، جس کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے ہیں، جس پر نگرانی اور احتساب کا مہیب سایہ ہے۔ اور جس کے لئے ہر زمین میں دل و دماغ کی کھڑکیاں اور سماعت کے روزن پوری طرح بند ہیں۔

وہ اسلام جس کو کبھی بزور شمشیر اور کبھی بزور تدبیر اسمبلی اور پارلیمنٹ، دفاتر، عدالت، یونیورسٹیوں اور کالجوں اور تمام تہذیبی و ثقافتی اداروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ وہ اسلام جس کو از کار رفتہ اور بوڑھے خاندانی ملازم کی طرح گھر کے نچلے حصہ میں کسی کوٹھری میں جگہ دے دی جاتی ہے۔ رمضان آتا ہے تو افطار اور سحری بھی بھجوا دی جاتی ہے۔ عید میں سوئیوں سے تواضع کی جاتی اور مارکین کا ایک نیا جوڑا بھی بنوا دیا جاتا ہے، بقرعید میں ایک رومال میں رکھ کر تھوڑا سا گوشت بھی بھیج دیا جاتا ہے، یہ سب اس لئے کہ آباء و اجداد سے بہرحال اس کے گہرے تعلقات تھے۔ اور کسی زمانے میں اس نے بڑے بڑے کام کئے تھے۔

وہ اسلام جس کو موجودہ زمانہ میں ہمیشہ "نہیں" سے واسطہ پڑا اور جس کے کان ایک "ہاں" سننے کے لئے ترس گئے۔ جس کو نہ صرف دشمنوں کی سرزمین میں "نہیں" کہا گیا، بلکہ خود اس کے وطن میں بھی اس کو یہی "نہیں" NO کی آواز سننی پڑی۔ اس کو ترکی، مصر، انڈونیشیا اور پاکستان ہر جگہ یہی مکروہ آواز سنائی دی۔ حالانکہ یہ ممالک اپنی تعداد، سیاسی قوت و اقتدار اور قیادت کے اعتبار سے عالم اسلام کے ملکوں میں صف اول کے ملک ہیں اور ان میں سے کسی ایک ملک کا مخلصانہ "ہاں" YES نہ صرف عالم اسلامی بلکہ پورے عالم انسانی کی تقدیر بدلنے کے لئے کافی تھا۔

وہ اسلام جس کے ہونٹ ہلنے اور قدم اٹھنے سے پہلے یہ وارننگ دے دی گئی کہ خبردار ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکلے اور ایک انچ بھی قدم اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔

وہ اسلام جس کے قانون کی ایک دفعہ اور جس کی شریعت کا ایک جزء پاکر بھی نافذ نہیں کی گئی۔ جس کے کسی حکم پر بھی عمل درآمد نہیں کیا گیا اور پھر پوری بے حیائی بددیانتی اور خود فریبی کے ساتھ یہ اعلان بلکہ "فیصلہ" کر دیا گیا کہ اسلام زندگی کی رہنمائی سے قاصر ہے۔ معاشرہ اور سوسائٹی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں اس میں کسی سیاسی و اقتصادی مسئلہ کے حل کرنے کی صلاحیت نہیں وہ ایک ضائع شدہ طاقت (SPENT FORCE) ہے۔

وہ اسلام جس کو ذاتی مقصد برآری اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے، اور مسلمانوں کے دل و دماغ کو مسحور کرنے کے لئے خوب استعمال کیا گیا اور اس کی دل کھول کر تعریف کی گئی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے دل کی دھڑکنیں اس کے ساتھ وابستہ ہو گئیں۔ اور اس کے لئے اپنا خون انھوں نے پانی کی طرح ارزاں کر دیا۔ لیکن جب یہ خون رنگ لایا اور یہ قربانیاں اور کوششیں بارآور ہوئیں اور ان ملکوں کی زمام اقتدار اچھی طرح ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تو انھوں نے بہت بے پروائی اور شان بے نیازی کے ساتھ شانے جھٹکتے ہوئے اس غریب اسلام کو یہ جواب دیا کہ تم نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب تمہاری جگہ—

سرد خانوں (COLD STORAGE) محافظ خانوں اور لابریریوں میں ہوگی یا جیل کی کال کوٹھڑیوں اور آہنی سلاخوں میں! ہاں چونکہ کرسیِ اقتدار اور تخت حکومت تک پہونچنے میں تم نے ہمارا بہت ساتھ دیا تھا، تمہاری جاں بخشی کی جاتی ہے، تم مسجد کے کسی حجرے میں رہ سکتے ہو، اگر کہو تو شاہی مسجد لاہور یا مسجد سیدنا حسین (قاہرہ) میں تمہیں بہت معقول مشاہرہ پر امام وخطیب کی جگہ بھی دی جاسکتی ہے۔ تم بہت بڑا اور نفیس عمامہ باندھ کر آنکھوں میں سرمہ لگا کر اور گا کر عربی اور اردو جس زبان میں چاہو خطبہ پڑھ سکتے ہو اور جوشِ تقریر میں اقبال کے اشعار بھی سنا سکتے ہو۔ لیکن خبردار اس کے آگے کچھ نہ سوچنا ورنہ ہمارا یہ "عارضی معاہدہ" بھی کالعدم سمجھا جائے گا۔ اور ہم ہر قسم کی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔

وہ اسلام جس کو ریس کے میدان میں لایا گیا۔ اور پھر یہ اعلان کر دیا گیا کہ آج اس کا امتحان ہے اور دیکھنا ہے کہ اس کا گھوڑا آگے نکلتا ہے یا ہمارا گھوڑا پھر تماشائیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کو رسیوں سے اچھی طرح باندھ دیا گیا۔ اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ غیر اسلامی نظریات اور جھوٹی قومیتوں کے خچر اور گدھے اس کے مقابلے میں پوری طرح آزاد چھوڑ دیے گئے۔ بلکہ ان کو ہنکایا اور دوڑایا گیا اور پھر یہ کہا گیا کہ دیکھو اسلام کا گھوڑا تو ایک قدم بھی نہیں چل پاتا یہ مقابلہ کیا کرے گا حالانکہ یہ اسلام کا وہی اصیل گھوڑا ہے جو اگر ان گدھوں اور خچروں کی روانگی کے برسوں اور صدیوں بعد بھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو اپنے ٹاپوں سے مشرق و مغرب دونوں کو پامال بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں مالامال اور نہال کر دیتا۔

وہ اسلام جس کا چور کے ہاتھ کاٹنے کا قانون یہ کہہ کر نافذ نہیں کیا گیا کہ یہ درندگی ہے، سود کی حرمت کی یہ کہہ کر خلاف ورزی کی گئی کہ یہ ناممکن اور ناقابل عمل ہے۔ اختلاط اور بے حجابی کی ممانعت پر یہ کہا گیا کہ یہ رجعت پسندی کی علامت ہے۔ زنا کی سزا پر یہ کہا گیا کہ یہ عذاب ہے۔ کفار و مشرکین اور اللہ و رسول کے دشمنوں کی تقلید اور ان کی مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت کو یہ کہا گیا کہ یہ تنگ نظری اور وحشت ہے۔ بے حیائی اور فسق و فجور اور دوسری معصیتوں کے اڈوں کو ختم کرنے پر یہ کہا گیا کہ یہ فطرت دشمنی ہے۔ دینی شعور، آخرت پر ایمان ضمیر کی نگرانی۔ نفس اور خواہشات کی مخالفت، خدا کے خوف اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اس طرح بھاگنا جس طرح کوئی تندرست انسان جذامی سے بھاگتا ہے اور اس کی رضامندی اور خوشنودی کی ایسی طلب اور پیاس، جس طرح صحرا کے کسی پیاسے کو میٹھے پانی کی پیاس ہوتی ہے اور اس کے احکام کو تمام مصالح اور ضروریات اور خواہشات

و مطالبات پر مقدم رکھنے کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ بزرگوں کے قصے کہانیاں اور صالحین کی حکایات ہیں جس کی راکٹ اور سیاروں کے عہد میں کوئی گنجائش نہیں اور اس "ترقی یافتہ زمانہ" اور "مہذب سوسائٹی" میں کوئی ان باتوں کو سننا بھی پسند نہ کرے گا۔ وہ اسلام جس کا قانون تو کوئی نافذ نہیں کیا گیا اور جس کی بات تو کوئی نہیں مانی گئی۔ لیکن یہ بلا تکلف کہہ دیا گیا کہ اس کا قانون زندگی کا ساتھ دے سکتا ہے نہ کسی معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی و اقتصادی مسئلہ کو حل کر سکتا ہے۔

وہ اسلام (عالم اسلام کے ارباب و اقتدار مجھے معاف کریں) جو مسجدوں سے، مذہبی اوقاف اور مذہبی اداروں سے، مذہبی کتابوں اور مذہبی رسالوں سے بھی خارج کر دیا گیا ہے، اس طرح کہ اس کے ذمہ داروں کی ہر ہر قدم پر نگرانی ہوتی ہے، اس کے ہر شعبہ پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ بلکہ ان جگہوں پر پالیسی کے طور پر ایسے آدمیوں کا تقرر کیا جاتا ہے جو قیادت کے مزاج شناس بلکہ ادا شناس ہوں۔ اور خدا اور رسول کے احکام و ہدایات سے زیادہ سرکاری احکام و ہدایات پر عمل کرتے ہوں۔

وہ اسلام جس کو انقلاب مصر، انقلاب عراق، انقلاب شام ہر جگہ صرف ایک جواب ملا، "نہیں" پاکستان میں بھی اس کو یہی تلخ جواب ملا اور انڈونیشیا اور ترکی میں بھی

وہ اسلام جس کو انقلاب مصر، شاہ کی برطرفی اور جلاوطنی کے وقت اور جہاد فلسطین اور معرکۂ سویز میں "ہاں" کہا گیا اور ملک کی پالیسی بناتے وقت دستور سازی میں اور اپنے انقلاب کے مینی فسٹو میں "نہیں" کہا گیا۔

مطالبۂ پاکستان کے وقت "ہاں" کہا گیا اور دستور سازی اور عائلی قانون منظور کرتے وقت "نہیں" کہا گیا۔

الجزائر کی جنگ کے وقت جس میں دس لاکھ آدمیوں نے قربانی دی "ہاں" کہا گیا اور حکومت بنانے کے بعد پالیسی طے کرتے وقت "نہیں" کہا گیا۔

وہ اسلام جس کو خانقاہوں، ذکر کے حلقوں، میلاد کی محفلوں، وعظ کے جلسوں، افطار کی پارٹیوں، ریڈیو سے رمضان کے پروگراموں، قوالیوں، نعتیہ اشعار اور کلام اقبال میں "ہاں" کہا گیا۔

وہ اسلام جس کے متعلق یہ کہا گیا کہ "پاکستان ہماری ایک تجربہ گاہ ہے، ہم اس کے ذریعہ دنیا کے سامنے یہ ثابت کر سکیں گے کہ تیرہ سو برس پہلے کا اسلامی قانون اور اسلامی اصول کتنی صلاحیت اور قیمت رکھتے ہیں" جب دستور سازی کا وقت آیا تو اس کو معذرت کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔

تخت و تاج اور صدارت و وزارت تک پہونچنے کے لئے اس کا کلمہ پڑھا گیا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ وہ خواہشات نفس کا دشمن اور عیش و عشرت کی راہ میں سنگ گراں

کی طرح حائل ہے، آزادی و بے قیدی میں رکاوٹ ڈالتا ہے اس کو بیاہ جھنڈی دکھا دی گئی۔

وہ اسلام جو نکاح اور ولیمہ کے مسائل اور قربانی اور عقیقہ کے فضائل میں امام و قاضی و مفتی اور شیخ الاسلام سب کچھ مان لیا جاتا ہے، لیکن مرد و زن کے اختلاط کی ممانعت، جسم فروشی، شراب، سود، رقص و عریانی اور مجسمہ سازی کی حرمت، اسلامی سزاؤں کے نفاذ اور احکام الٰہی کے اجراء کے وقت اس سے صاف کہہ دیا گیا کہ "ایاز قدر خود بشناس"۔

جبکہ ترکی میں الیکشن جیتنے کے لئے خوب استعمال کیا گیا عربی میں اذان کی اجازت دی گئی۔ دینی مدرسے کھولے گئے مسجدیں آراستہ کی گئیں ان میں امام مقرر کئے گئے۔ دینی اداروں کی حوصلہ افزائی کی گئی اور سادہ لوح، اسلام کی شیدائی ترکی قوم کو خوب سبز باغ دکھائے گئے۔ جب اقتدار حاصل ہو گیا تو اس کو "بلا ضرورت" قرار دے دیا گیا۔

وہ اسلام جس کو ہماری موجودہ تاریخ میں ایک آدھ مرتبہ بہت آہستہ اور پست آواز میں "ہاں" ملا تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ملک سے چوری ختم ہو گئی قرآن و دبیوں کے ڈھیر چھوڑ کر نماز کے لئے مسجد چلے گئے۔ شراب نوشی اور سود خواری کے واقعات یا تو ختم ہو گئے یا بہت کم رہ گئے اور دشمنوں نے بھی اعتراف کیا کہ یہ محض دو تین اسلامی سزاؤں کی برکت ہے جس سے اتنی کم مدت میں ایسے محیر العقول نتائج ظاہر ہوئے ہیں[1]

وہ اسلام جس کے ایک حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں قتل اور خنجر زنی کے واقعات کم ہو گئے۔ پولیس تھانوں میں رپورٹیں جانا بند ہو گئیں۔ زخمی ہونے والوں میں غیر معمولی کمی ہو گئی۔ پولیس کے اڑن دستہ کو بہت کم زحمت کرنی پڑی اور ان کو دوسرے جرائم کے انسداد کی طرف زیادہ توجہ کرنے کا موقع مل گیا[2]

یہ اس "مظلوم اسلام" کی درد انگیز کہانی ہے جو "ہاں" اور "نہیں" کے درمیان ڈول رہا ہے جو کبھی "حسب ضرورت" بتایا جاتا ہے، کبھی "بلا ضرورت" قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کو "حسب شریعت" بنانے پر کوئی راضی نہیں۔

---

[1] حجاز کی طرف اشارہ ہے۔

[2] ایران کے شہر قم سے نکلنے والے ایک سنجیدہ ماہنامہ میں پولیس کی رپورٹ کی روشنی میں کچھ اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں روزہ کی برکت سے جرائم میں کس قدر کمی ہوئی اور تھانوں کا کام کس قدر ہلکا ہو گیا۔

قرآن کا پیغام

مولانا عبدالماجد دریابادی

فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ

اور اگر وہ روگرداں رہے تو آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہی ہے اور اللہ اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے۔ بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق ہلاک کر ڈالتے ہیں

(اور اب ان کی نجات و مغفرت میں بھی اشتباہ نہ رہا۔)

جاہلیت کے نظریۂ حیات (IDEOLOGY) میں انقلاب و اصلاح ہو جانے ہی کا اسلام نام ہے۔ پس جس کسی نے اسلام کے نظریۂ حیات کو قبول کر لیا وہ کسی بھی نسل، رنگ، قوم، وطن کا ہو، بہرحال اب اس کا تعلق کائنات و خالق کائنات کے ساتھ صحیح نوعیت کا قائم ہو گیا۔

(اور آپ پر نتائج کی ذمہ داری ذرا بھی نہیں) رسول اللہ صلعم کو تسکین دی گئی ہے کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ملول و فکرمند نہ ہوں آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے۔

(اور وہ خود ہی سب کے اعمال و احوال دیکھ کر مناسب جزا و سزا دے گا)

اللہ اور رسول کے باہمی فرق کو قرآن مجید کتنی بار واضح کرتا چلا گیا ہے۔

يكفرون بآيات الله۔ کسی کتاب الٰہی یا اس کے کسی جزء سے انکار یہ سب کفر بآیات اللہ کی صورتیں ہیں۔

بغیر حق۔ یعنی خود قاتلوں کے بھی آئین و قانون و ضابطہ کے خلاف۔ ورنہ قتل انبیاء فی الحقیقت اور عند اللہ تو ہمیشہ ہی ناحق رہے گا۔ یہود کے قتل انبیاء اور قتل ناحق پر حاشیہ پارۂ اول رکوع ۷ میں گزر چکا۔

(آخرت میں)

یامرون بالقسط۔ یعنی لوگوں کو اخلاق و معاملات میں عدل کی ہدایت کرتے رہتے ہیں ظاہر

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ

اور ان لوگوں کو جو عدل کا حکم دیتے ہیں انھیں مار ڈالتے ہیں۔ پس آپ انھیں عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دیجئے یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب الٰہی سے حصہ دیا گیا تھا انھیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے

ہے کہ مراد انبیاء اور ان کے نائبین ہیں۔

یقتلون۔ یہ سب اشارے یہود کی حق دشمنی سے متعلق اور ان کی تاریخ کی جانب ہیں عہد عتیق کے متعدد صحیفوں میں یہود کی بیزاری کی تصریح موجود ہے مثلاً وہ اس کا کینہ رکھتے ہیں جو دروازہ پر سرزنش کرتا ہے اور وہ اس سے نفرت کرتے ہیں جو حق بات کہتا ہے (عاموس ۵ : ۱۰)

قتل یہاں اپنے اصلی اور لغوی معنی یعنی مطلق ہلاک کر ڈالنے کے مفہوم میں ہے فقہی اصطلاح یعنی "دار پر ہلاک" کرنے کے معنی میں نہیں۔

عذاب الیم۔ ایسے مجرموں اور خطاکاروں پر دنیوی لعنت حضرت داؤد نبی کی کتاب میں مفصل موجود ہے۔

"وہ جلد ہی گھاس کے مانند کاٹ ڈالے جائیں گے اور ہری سبزی کی طرح مرجھا جائیں گے۔ اور شریر نہ ہوگا تو غور کرکے اس کا مکان ڈھونڈے گا اور وہ نہ ہوگا۔ ان کی تلوار ان ہی کے دلوں میں پیٹھے گی۔ ان کی کمانیں ٹوٹ جائیں گی۔"

(زبور ۳۷ : ۱ - ۳۰)

آیت سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ایک امر بالمعروف واجب ہے اور یہ فرض انبیاء اور

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

پھر ان میں سے ایک فریق بے رخی کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے یہ اس سبب سے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز چند گنے ہوئے دنوں کے اور جو کچھ یہ تراشتے رہتے ہیں اس نے انھیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

ان کے نائبین انجام دیتے تھے۔

(سزا کے وقت کہ انھیں عذاب سے چھڑا لے، یا اس میں کچھ تخفیف ہی کرا دے۔)

اعمالهم۔ منکرین کے وہ اعمال جن پر انھیں دنیا میں فخر و ناز تھا، اور جنھیں وہ اپنے حسنات و فضائل میں شمار کرتے تھے۔

حق و داعیانِ حق سے مسلسل یہ انحراف و اعراض تاریخ بنی اسرائیل کا کوئی نیا یا انوکھا واقعہ نہیں۔ ان کے مقدس نوشتے اور صحیفے ان شکایات سے بھرے پڑے ہیں مثلاً:

"تم کہاں کو مجھ سے محبت کروگے تم مجھ سے پھر گئے ہو" (یرمیاہ ۲ : ۲۸ و ۲۹) نیز ہوسیع ۴ : ۱۰ مفصل حاشیے پارۂ اول رکوع ۹، ۱۰ کے ذیل میں گزر چکے۔

الم تر۔ خطاب یہاں رسول اللہ صلعم سے ہے۔

الذین ...... من الکتب۔ ذکر یہی یہود کا چل رہا ہے۔

الکتب۔ یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے یعنی کتاب الٰہی اپنے عمومی و کلی مفہوم میں کہ اسی کا ایک جز توریت ہے۔

کتب اللہ۔ اسی عمومی کتاب کا دوسرا جزو قرآن ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔

لیحکم بینهم۔ یعنی مذہبی اختلافات کے باب میں فیصلہ کر دے۔

یعنی یہ سرکشی اور عدوان کی عادت اس سبب سے قائم ہے کہ یہ لوگ اپنے کافر ہونے ہی کے قائل نہیں

ایاما معدودات۔ یعنی وہ چالیس روز کی مدت جو بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی میں بسر کی تھی۔ آیت کا یہ جزو پارۂ اول میں بھی یہود کی زبان سے نقل ہو چکا ہے اور وہیں اس پر مفصل حاشیہ بھی گزر چکا ہے۔ یہود کا یہ ایک مسلسل عقیدہ بن گیا تھا، کہ ہم عذاب آخرت سے اصلاً بالکل محفوظ ہیں بجز اس قلیل مدت کے، جو ہمارے اسلاف نے گوسالہ پرستی کے شرک میں گزاری تھی۔

(باقی صہ ۱۹ پر)

عبادات کے بارے میں مادّیت زدہ لوگوں کی غلط فہمی

از مولانا محمد منظور نعمانی

جن لوگوں کی فکر و نظر پر مادیت زیادہ غالب آچکی ہے وہ عبادات کے اس امتیاز کو نہیں سمجھ سکے، اس لئے انھوں نے عبادات میں بھی وہ فائدے ڈھونڈے جن کا تعلق اس عالم محسوسات سے ہے یہاں تک کہ "عنایت اللہ مشرقی" جیسے بعض لوگ تو اس قدر نیچے گرے کہ نماز جیسی عبادت کو بھی جو دراصل انسانی روح کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے اور اس مادی عالم سے کٹ کر کچھ وقت کے لئے عالم تجرد اور ملاء اعلیٰ سے وابستہ ہو جانے کا خاص الخاص ذریعہ ہے، انھوں نے اس کو قواعد پریڈ قسم کی ایک ورزش قرار دے دیا اور کہا کہ اس سے ڈسپلن پیدا ہوتا ہے پابندیٔ وقت کی عادت پڑتی ہے اور اسی قسم کی خرافات اور بعض لوگ جو اتنے نیچے نہیں گرے انھوں نے کچھ اور فائدے بیان کئے۔ جو اتنے پست اور گھٹیا تو نہیں ہیں لیکن بہرحال ان کا تعلق بھی اسی عالم محسوسات سے ہے۔ یہ ساری غلطیاں عبادت کی حقیقت اور اس کے موضوع اور غایت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اور ذہنوں پر مادیت اور عالم محسوسات کی اہمیت کے غالب آجانے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ بقول کسی کے:۔

"فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"

اس غلط فہمی کی ایک مثال :۔

راقم سطور ناچیز محمد منظور نعمانی اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی ایک جگہ گئے ہوئے تھے، کچھ ہی دنوں پہلے الفرقان کے حج نمبر میں مولانا موصوف کا مضمون "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" نکلا تھا، واقعہ یہ ہے کہ حج کے موضوع پر اللہ تعالیٰ نے مولانا سے یہ عجیب و غریب مضمون لکھوا دیا تھا، عجب تاثیر اور عجب سوز سے بھرا ہوا ہے، خود میرا حال یہ ہے میں نے بارہا اس کو پڑھا ہے، لیکن ہر دفعہ اس نے رلایا ہے اور بہت بہت رلایا ہے ——— ایک بڑے اچھے تعلیم یافتہ دوست جن کا دینی مطالعہ بھی اچھا خاصا ہے وہ ملنے آئے، مولانا کے مضمون کی تعریف کی۔ اور آخر میں کہا ——— لیکن اس میں ایک کمی یہ رہ گئی ہے کہ حج کے اجتماع کا جو خاص مقصد اور فائدہ ہے اس کا آپ نے بالکل ذکر نہیں کیا ———

میں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ ——— فرمایا:۔ یہی کہ تمام دنیا کے مسلمان اور ان کے نمائندے جمع ہو کر وقت کے اہم مسائل پر غور کریں ——— میں نے عرض کیا:۔ یہ آپ نے کہاں سے سمجھا ہے؟ ——— فرمایا کہ دیکھئے نا رکھنے سے لے کر بارھویں تیرھویں تک منیٰ کے میدان میں، جو سارے حجاج کو ٹھہرنے کا حکم ہے، اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ شہر کے شور و شغب اور ہنگاموں سے بالکل الگ رہ کر اطمینان سے وہاں کی پرسکون میدانی فضا میں دنیا کے اہم مسائل پر غور کریں ——— میں نے دریافت کیا کہ:۔ جناب حج کر چکے ہیں، اور آپ نے منیٰ میں حجاج کے ٹھہرنے کا منظر دیکھا ہے؟ ——— فرمایا:۔ ابھی تو نہیں، اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ ——— میں نے عرض کیا کہ:۔ جب اللہ تعالیٰ نصیب فرمائیں گے تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ آپ کتنی بڑی غلط فہمی میں تھے۔

حیرت ہے کہ حج کا یہ مقصد سمجھنے والے یا اس قسم کی چیزوں کو حج کا "خاص فائدہ" بتانے والے اور ان باتوں کو زیادہ اہمیت دینے والے یہ بھی نہیں سوچتے، کہ اس مقصد کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہر ملک کے خواص اور نمائندے اور اہل الرائے حضرات کو بلایا جاتا، کم از کم ان کے جمع ہونے پر خاص زور دیا جاتا حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ہر اس مسلمان پر حج فرض کیا گیا ہے جو وہاں پہونچنے کی استطاعت رکھتا ہو اور عمر میں صرف ایک دفعہ فرض کیا گیا ہے، پھر غور کرنے کی بات ہے کہ احرام، طواف، سعی (یعنی صفا مروہ کے پھیرے) قربانی، مکہ سے منیٰ جانا، منیٰ سے عرفات دوڑنا، عرفات سے رات کو چل کر مزدلفہ آنا، وہاں سے پھر منیٰ اور منیٰ سے پھر مکہ بھاگنا اور پھر مکہ سے منیٰ واپس جانا اور پھر وہاں ٹھہر کر رمی جمار کرنا۔ آخر دیوانوں کے سے ان اعمالی اور مجنونانہ دوڑ بھاگ سے "اور" عالم اسلامی کی کانفرنس "والے مقصد سے کیا ربط اور جوڑ ہے؟

ہم یہ نہیں کہتے کہ حج کے اجتماع سے یہ فائدہ اٹھایا نہیں اٹھایا جا سکتا، یا ایسا کوئی فائدہ اٹھانا نہیں چاہئے بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حج وغیرہ عبادات کا موضوع یہ نہیں ہے جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں اور اس طرح سوچتے ہیں ان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے عبادات کی حقیقت اور اس کے اصل مقصد اور موضوع کو نہیں سمجھا، عبادات کا اصل مقصد اور اس کی اصل غایت وہ ہے جس کا تعلق اس عالم محسوسات سے نہیں ہے، لیکن ان لوگوں کی نظروں میں چوں کہ عالم محسوسات ہی کی وقعت اور اہمیت زیادہ ہے اور ان کے ذہنوں کا رخ چوں کہ اس مادی عالم ہی کی طرف ہے، اس لئے یہ بیچارے عبادات کا مقصد اور اس کے خاص فائدے بھی اسی میں ڈھونڈتے ہیں۔

اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے وہ کہتے ہیں ——— ان باتوں سے "عبادات" کی امتیازی اہمیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور پھر وہ معمولی مقاصد کی معمولی تدبیریں رہ جاتی ہیں۔

ہاں! ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عبادات سے بہت سے ایسے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں جن کا تعلق اسی عالم محسوسات سے ہے لیکن وہ عبادات کا مقصد اور غایت نہیں ہیں بلکہ ان کو منافع اور زیادہ سے زیادہ برکات کہا جا سکتا ہے۔

بہرحال عبادات کا اصل مقصد و موضوع صرف معبود برحق کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنا اور اپنے کو پاک کرنا اور اپنے روحانی اور ملکوتی پہلو کو نشوونما دینا ہے اور انسانوں کے تمام اعمال میں محض عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا تعلق صرف معبود سے ہے، اور کسی اور کا اس میں کوئی حصہ نہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی عبادت کسی نیت سے اور کسی پہلو سے بھی کسی غیر اللہ کے لئے نہیں کی جا سکتی اور اگر کوئی کرے گا تو مشرک ہو جائے گا دوسرے کسی عمل کی یہ شان نہیں ہے۔

اور عبادت کے شعبہ کی اسی اہمیت اور نزاکت کی وجہ سے دوسرے تمام شعبوں سے زیادہ اس میں پابندیاں لگائی گئی ہیں، اور اس کے احکام زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ جو چیز جتنی اعلیٰ اور جتنی نازک ہوتی ہے اس کا قانون بھی اتنا ہی سخت ہوتا ہے۔

---

¹ حج کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیم کے حقیقی حج کے ساتھ تشبہ اختیار کر کے انکے جذبۂ عبدیت اور کمال فدویت و فدائیت کو یاد کیا جائے، اور ان کے اس مبارک و مقدس نسبت سے وہ اس کی برکات سے حصہ لینے کی کوشش کی جائے حج کے تمام اعمال سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ۱۲

² یہ مضمون "حج کیسے کریں" نامی کتاب میں بھی چھپ چکا ہے۔

اسلام اچیومنٹس

پروفیسر محمد سمیع صدیقی ایم، اے، بی، ٹی (علیگ)

• اسلام مختصر مدت میں عالمگیر مذہب کیسے بنا؟ • اسلام نے اقوام عالم کو اپنی سادگی سے کیونکر گرویدہ بنایا۔؟ • اسلام نے رنگ و نسل کے امتیاز کو کیسے مٹایا؟ • اسلام نے مختلف طبقات انسانی کو ایک لڑی میں کیسے پرویا؟ • اسلام نے خدا پرستی اور خدا شناسی کیسے سکھائی؟ ان تمام سوالوں کا جواب اس مختصر سی کتاب میں ملیگا۔ خود دیکھئے اور اپنے غیر مسلم احباب کو دکھایئے

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت دو روپے

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

مردِ مومن

ڈاکٹر اقبال اپنی فارسی غزل میں مومن سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"تجھ پر مجھے کمال حیرت ہے کہ آفاق تو تجھ سے روشن ہیں لیکن تیری ذات ہی درمیان سے غائب ہے تم کب تک غفلت و بطالت، گمنامی و جہالت کی زندگی گذارتے رہو گے تمھاری روشنی نے دنیائے قدیم کو روشن کیا اور تمھارا وجود ماضی کی تاریک رات کے لئے منارۂ نور بن کر رہا۔ تمھاری آستین میں "ید بیضا" موجود رہا! تم آج گھروندوں میں گھوم رہے ہو لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ تم انھیں پھلانگ بھی سکتے ہو۔ تم تو اس وقت بھی تھے جب یہ کائنات نہ تھی اور اس وقت بھی رہو گے، جب یہ نہ ہوگی۔ اے مردِ جاوداں! تو موت سے ڈرتا ہے حالاں کہ موت کو تجھ سے ڈرنا چاہئے موت نہیں بلکہ تم اس کی گھات میں ہو تمہیں چاہئے کہ آدمی کی موت روح کی جدائی سے نہیں ہوتی بلکہ ایمان کی کمی اور یقین سے محرومی سے ہوتی ہے۔"

بینی جہاں را خود را نہ بینی!
تا چند نادان غافل نشینی؟
نور قدیمی شب را بر افروز
دستِ کلیمی در آستینی!
بیروں قدم نہ از دورِ آفاق
تو پیش ازینی تو پیش ازینی
از مرگ ترسی اے زندہ جاوید
مرگ است صیدے تو در کمینی
جانے کہ بخشند دیگر نگیرند
آدم بمیرد از بے یقینی!
صورت گری را از من بیاموز
شاید کہ خود را باز آفرینی[1]

اپنی ایک دوسری نظم میں جو موسیقی کا زیر و بم لئے ہوئے ہے اور جو مسلم نوجوانوں کے لئے بیداری کا ایک نغمہ ہے اس میں وہ اس "مرد مومن" کو آواز دیتے ہیں جو مایوس و نومید ہو کر زندگی کے کارواں اور قیادت و امامت کے منصب سے پچھڑ گیا ہے وہ کہتے ہیں:۔

"اے خوابیدہ کلی تو اس نرگسِ بیدار کی طرح آنکھ کھول جس کی آنکھیں کبھی نہیں جھپکتیں اور جسے کبھی نیند نہیں آتی۔ دشمنوں نے ہمارے مستقر پر حملہ کیا ہے اور ہمیں خانماں برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ کیا بلبل کی نغمہ سنجی، اذان کی للکار اور قلب و روح کی پکار بھی تمہیں بیدار نہیں کر سکتی۔

آفتاب نے پھر از سر نو رخت سفر باندھا اور ظلمات کے سمندر میں صبح روشن کے پتوار حرکت میں آگئے کاروانوں نے وادی و صحرا میں اپنے اسباب اٹھائے اور کوچ کا نقارہ بج گیا لیکن اے چشم بیدار! جو انسانیت کی نگراں، اور کمزوروں کی پاسباں تھی تو ابھی تک سو رہی ہے اور ذرا نہیں دیکھتی کہ حالات و حوادث میں کیا انقلاب آگیا؟

ترا سمندر صحرا کی طرح ساکن ہو گیا ہے اور جوش و طغیانی کی جگہ جمود پیدا ہو کر رہ گیا ہے اس میں کوئی مد و جزر نہیں، اس کی موجوں میں کوئی تلاطم نہیں، یہ کیسا سمندر ہے جس میں نہ کوئی نہنگ حوصلہ مند ہے نہ کوئی موج بلند! تمہارے پرشور سمندر کو تو اپنے ساحل سے نکل کر دشت و جبل میں پھیل جانا تھا! اے مرد مومن! وطن مٹی کا جسم ہے لیکن روح کا وجود دین و مذہب سے ہے اس لئے تمہیں ایک ہاتھ میں "خدا کا کلام" اور دوسرے میں "تیغ بے نیام" لے کر اٹھنا چاہئے اس لئے کہ ان دونوں کا اجتماع ہی بشریت کی سعادت ہے اور تہذیب کے لئے برکت ہے۔

اے مرد مسلماں! تو ناموس ازل کا امین دیا ہے اور خدائے لم یزل کا رازداں ہے تیرا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ تیری اٹھان مٹی سے ہے لیکن تجھی سے اس عالم کا وجود و بقا متعلق ہے، میخانۂ یقین سے پی اور ظن و تخمین کی پستیوں سے بلند ہو جا۔ فرنگ کی دلآویزی کی نہ داد دے نہ فریاد کر جس نے عقل و دل دونوں کو مسحور و مخمور اور ناکارہ بنا دیا ہے فریاد ان بازیگروں سے جو کبھی ناز و انداز سے پکڑتے۔ اور کبھی بیڑیوں میں جکڑتے ہیں کبھی شیریں کا پارٹ ادا کرتے ہیں اور کبھی "پرویز" کا روپ بدلتے ہیں۔ دنیا ان کی جاہ کاریوں سے ویران ہو گئی ہے۔ اے بانیٔ حرم! اے معمار کعبہ! اور اے فرزند ابراہیم ایک بار پھر دنیا کی تعمیر کے لئے اٹھ اور اپنی گہری نیند سے بیدار ہو۔

اے غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز
کاشانۂ ما رفت بتاراجِ غماں خیز
از نالۂ مرغ چمن از بانگِ اذاں خیز
از گرمیِ ہنگامۂ آتش نفساں خیز!

خورشید کہ پیرایہ بسیمائے سحر بست
آویزہ بگوشِ سحر از خون جگر بست
از دشت و جبل قافلہ ہا رختِ سفر بست
اے چشم جہاں بیں بتماشائے جہاں خیز!

خاور ہمہ مانند غبار سر راہے است
یک نالۂ خاموش و اثر باختہ آہے است
ہر ذرۂ ایں خاک گرہ خوردہ نگاہے است
از ہند و سمرقند و عراق و ہمداں خیز!

دریائے تو دریاست کہ آسودہ چو صحراست
دریائے تو دریاست کہ افزوں نشد و کاست
بیگانۂ آشوب و نہنگ است چہ دریاست
از سینۂ چاکش صفتِ موج رواں خیز!

ایں نکتہ کشائندۂ اسرار نہان ست
ملک ست تن خاکی و دیں روح رواں ست
تن زندہ و جاں زندہ ز ربطِ تن و جان است
با خرقہ و سجادہ و شمشیر و سناں خیز!
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز!

وہ اپنی ایک اردو غزل میں کہتے ہیں جو رفعت و حلاوت میں اپنی مثال آپ ہے:۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی
مرے حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کج کلاہی
تو ہما کا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مرغ و ماہی
تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الٰہ الا
لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

وہ اپنی ایک دوسری نظم میں کہتے ہیں جو سہل ممتنع کی ایک مثال ہے:۔

اے مرد مومن! اس کائنات کے تمام مناظر و مظاہر، تمام اجرام فلکی اور اجسام ارضی زوال آمادہ اور فنا پذیر ہیں لیکن تو ان کے درمیان جاوداں ہے تمہارے ارد گرد کی ہر شئے تمہاری تابع اور ماتحت ہے لیکن تم نے اپنے کو نہیں پہچانا۔ تم دنیا کے پیچھے کب تک چلتے رہو گے؟ یا تو اسے ٹھکرا دو یا پھر اسے اپنے آگے جھکا دو۔ درمیان کی راہ کوئی نہیں ہے۔

ہر شئے مسافر ہر چیز راہی
کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

---

[1] زبورِ عجم ۱۶۴

بقیہ صفحہ پر

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مولانا سید ابوبکر حسنی استاد نہرو یونیورسٹی دہلی، رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء لکھنؤ

ندوہ کا قیام ایسے دور میں ہوا جب کہ ہندوستان کے مسلمان شکست خوردگی کے عالم میں تھے یہاں کے لیڈر اور علماء مسلمانوں کی صحیح راہ متعین کرنے میں مذبذب تھے، عوام الناس سراسیمگی کی حالت میں زندگی گذار رہے تھے اور تعلیم و تربیت کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ بعض حضرات تو خالص دینی تعلیم کے ہمنوا تھے اور بعض خالص دنیوی تعلیم کے پرستار تھے درمیانی راہ نکالنا مشکل ہو رہا تھا۔

چونکہ برادران وطن بڑی تیزی سے زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھ رہے تھے اور مسلمان تعلیمی میدان میں پیچھے ہوتے جا رہے تھے۔ چند مفکرین نے مغربی تعلیم کو اپنایا، ساتھ ہی ساتھ بعض دینی کتابیں بھی شامل درس کیں تاکہ دین سے کوئی مسلمان طالب علم بے بہرہ نہ رہ جائے دوسری طرف علماء نے ایسے مدارس کھولنے شروع کئے جن سے وہ دین کی حفاظت کر سکیں اور مسلمانوں کو بے راہ رو نہ ہونے دیں دینی علوم جاری کئے اور علوم حاضرہ کو یکسر قلم زد کر دیا۔

ان حالات میں چند بزرگوں نے ایک اور صورت یہ نکالی کہ دینی تعلیم کے ساتھ علوم حاضرہ کو بھی شامل کر کے ایسے مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس سے ایسے علماء تیار ہوں، جو دین و دنیا کے جامع ہوں لیکن دین ہر حال میں غالب رہے اور دنیا تابع، جو اشاعت دین بھی کر سکیں اور دنیا میں بھی عالی مقام حاصل کر سکیں، مغربی تعلیم کی خرابیوں کو دور کرنے کی ان میں قدرت بھی ہو اور دنیا میں صحیح دین پر چل کر محترم بھی رہیں، اس کے ساتھ فروعی مسائل پر اتنا اختلاف بھی نہ پیدا ہونے دیں جس سے ملت کا شیرازہ بکھرنے کا خطرہ ہو ہر طبقہ کے افراد ایسے مدرسہ میں تعلیم و تعلم اپنی خوش قسمتی سمجھیں اور خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت کرتے رہیں۔ ——

مدرسہ کے قیام کا اولین مقصد یہ رہا کہ وہ ایسے علماء پیدا کرے جن میں اصحاب صفہ جیسے بزرگ بھی ہوں، اور مجاہد بھی، دوسری زبان میں یوں کہنا چاہیے کہ ان علماء میں مبلغ بھی ہوں مورخ بھی، سیرت نگار بھی اور ادیب بھی، نثر نگار بھی اور شاعر بھی، صوفی بھی اور مجتہد اور فقیہ بھی، محدث بھی اور مفسر بھی مگر سب اپنے بل بوتے پر جئیں کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں نہ قوم کے سامنے بھی ہاتھ پھیلائیں، جائز پیشہ کریں اور زندگی کو خوشگوار بھی بنائیں۔ خواہ تجارت کر کے یا کاشتکاری، طبابت کریں یا کوئی اور کام، گاؤں گاؤں پھیلیں۔ دینی روشنی عزت و احترام کے ساتھ پھیلاتے جائیں اور اسلام دشمن حضرات کا مشرق میں ہوں یا مغرب میں زبان و قلم سے مقابلہ کریں ان جیسی امیدوں کے ساتھ ندوہ کا قیام عمل میں آیا اور جس کے قیام میں اولیاء اللہ، علماء کرام اور قائدین کا ہاتھ تھا۔ —

رفتہ رفتہ دین و دنیا کی ہم آہنگی کا سبق پھیلایا جاتا رہا اور مسلمانوں میں عموماً اور عربی طلبہ میں خصوصاً ایسے افراد پیدا ہوتے چلے گئے جو دنیا کی دھوکہ دینے والی چمک سے ایسے مرعوب ہوئے کہ پیتل کو سونا سمجھنے لگے اور دین کی طرف تو کم مگر دنیا کی جانب جھکاؤ بڑھتا گیا۔ ایسی صورت کیسے پیدا ہوئی؟ اس کے بہت سے عوامل ہیں جن کا ذکر اس وقت بے سود ہے۔ اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ ندوہ کے ایک جانب یونیورسٹی کے ہوسٹل ہیں اور ایک جانب آرٹس اسکول دونوں کا ماحول ظاہر ہے کیا ہوگا پھر لکھنؤ ایسے شہر میں جہاں کی رونق، چمک دمک، جو ظاہر بیں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہو جہاں بے غیرتی کے اڈے اس کثرت سے ہوں جن سے باوجود احتیاط کے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایسے حالات میں کسی دینی مدرسہ کا چلنا چلانا کتنا دشوار ہے۔

ان جیسے حالات میں بلا شبہ عام و خاص کے لئے صحیح راستہ اختیار کرنا صراط مستقیم پر قائم رہنا اور دینی حدود کو قائم رکھنا بڑے مجاہدہ کا کام ہے ارباب حل و عقد کے لئے بھی کتنا بڑا امتحان ہے کہ وہ اس کشاکش میں اور طوفان میں کشتی کو موجوں سے نکال لے جائیں۔

اہل تقوی عالم باعمل اور حوادث کے مقابلہ کرنے والے ایسے ہی منجدھار میں کشتی چلاتے رہے مگر کمزور اور خس و خاشاک کی طرح بہہ جانے والے قوت ایمانی کی کمزوری سے سمت بدلتے رہے اور دوسروں کو بھی تبدیلی کی طرف راغب کرنے لگے۔ چنانچہ اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل حضرات میں دو گروہ پیدا ہو گئے، پہلا گروہ ثابت قدم اسلامی حدود کا پاسبان بنا رہا ساتھ ہی ساتھ مقتضائے زمانہ کا لحاظ بھی کرتا رہا۔ دینی شعائر کے احترام کے ساتھ روشن خیالی کا پرچار کرتا رہا۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ کردار سازی اس کا مسلک رہا قدیم و جدید میں ہم آہنگی قول و فعل سے قائم کرتا رہا اور حتی الامکان دوسروں کو بھی اسی راہ پر گامزن کراتا رہا مگر زمانہ سے دوسرا گروہ زمانہ کی رو میں ایسا بہا کہ اس نے تعلیمات اسلام کو پس پشت ڈال دیا اس پر روشن خیالی ایسی غالب آئی کہ اسلامی اقدار، اخلاقیات اور پابندی حدود کا خیال ہی اس کے دل و دماغ سے نکل گیا اور یہیں سے دونوں گروہوں میں اختلاف پیدا ہوا اور یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ مدرسہ کے لئے مصیبت بن گیا، اساتذہ میں بے راہ روی آئی۔ طلبہ سرکش ہونے لگے۔ پابندی شریعت کا لحاظ نہ رہا ذوق سرمدی ختم ہوا، روح بے کیف ہو گئی۔ دنیاداروں کی طرح بے اطمینانی آئی۔ وضع قطع بدلی نشست و برخاست کے طریقے بدلے۔ چال چلن بدلا۔ آداب خورد و نوش میں فرق آیا غرض مزاج ہی یکسر بدل گیا۔ نہ مطالعہ کا شوق رہا نہ پڑھانے کی طرف توجہ تضییع اوقات زندگی کا جز بن گئی۔ مجلسیں گرم ہونے لگیں۔ گپ شپ بڑھی چائے نوشی کی کثرت ہوئی، تفریح میں وقت گذرنے لگا۔ ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں، چغلخوری غیبت کو فروغ ہونے لگا، دنیاوی طمع بڑھی، غرور و کبر آیا، ریا و نمائش آئی، لاف زنی آئی، اور نہ جانے کتنے عیوب نے اپنا گھر کر لیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اب معقول بات سننے والا بھی نہ رہا۔

جنوں کا نام خرد رکھ گیا خرد کا جنوں

ان مخلصین کا گروہ جن کی تعداد روز بروز کم ہوتی چلی گئی عجیب کشمکش کی حالت میں پڑ گیا، ایک طرف تو ذمہ داری کا احساس، اندیشہ عاقبت، باز پرس کا خوف، دوسری طرف خوف لومۃ لائم، سوسائٹی کے بگاڑ کا خطرہ اور سرپرستوں کے سامنے جوابدہی کا خیال اور ہمدردوں اور بہی خواہوں کے روبرو شرمندگی کا احساس۔ سختی اختیار کی جائے تو ہنگامے کا ڈر نرمی برتی جائے تو زبان کا خوف "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن"۔

ہمت و جرات سے کام لیا ہی جائے اور تعمیری کارروائی کی جائے تو نہ جانے کتنی دشمنی پر اتر آئیں خیر کو شر سمجھ کر درپئے آزار ہو جائیں —— مگر ایسے توہمات پر چشم پوشی بھی تو جرم ہوگی نتیجہ کچھ بھی ہو اخلاص و تقوی کا جو تقاضا ہو پورا ہونا چاہیے ملت کا مفاد ہمیشہ پیش نظر رہے، پھر کیسی مروت اور کیسا خوف۔ حضرت ابوبکر رض حضرت عمر رض کا اسوہ اگر پیش نظر رہے تو راستہ صاف ہی نظر آئے گا اور اللہ مددگار ہے۔

فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر

پہلی قسط

تکبر کی حقیقت

ماخوذ از کتاب الرعایہ تالیف حضرت حارث المحاسبی رح

(ترجمہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

تکبر کی ایک قسم جو آپس میں بندوں کے درمیان ہے۔ وہ ایک دوسرے پر برتری کا اظہار ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپس میں برتری کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد دو خصلتیں ہیں۔ ایک خصلت بندوں کے ساتھ حقارت سے پیش آنا ہے اور ان سے نفرت کرنا ہے متکبر یہ سمجھتا ہے کہ میں ان سے برتر ہوں اور وہ انہیں حسرت و حقارت سے دیکھتا ہے۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ ایک شخص کو قبول کرنے کے بجائے اس حق بات بتانے والے کی طرف لوٹا دے حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ بات حق ہے تو اگر اہل حق میں سے کسی اچھی بات کو کہتا ہے یا بری بات سے روکتا ہے۔ یا دین کے مسائل میں گفتگو کرتا ہے تو اپنے منشا ہونے کی وجہ سے وہ اسے رد کر دیتا ہے حالاں کہ جانتا ہے کہ وہ بات حق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرماتا ہے۔

وجحدوا واستیقنتها انفسهم ظلماً وعلواً۔

انہوں نے انکار کیا ظلم و تکبر کی راہ سے حالاں کہ وہ دل میں ان کا یقین رکھتے تھے۔

نیز فرمایا کہ جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اس کو نہ پہچانا بلکہ اس کا انکار کیا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ اپنا غلبہ ظاہر کیا جائے اور دوسروں کی تحقیر کی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان منکرین کا حال یوں بیان فرمایا ہے۔

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فیه لعلکم تغلبون۔

یہ کافر ہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے سنانے وقت) غل مچا دیا کرو شاید تم غالب آجاؤ (۲۶-۴۱)

متکبر کو ہر وقت عزت حاصل کرنے کی خواہش دامنگیر رہتی ہے اور متکبرانہ عزت حاصل کرنے لئے وہ ہمیشہ حق کو رد کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

"واذا قیل له اتق الله اخذته العزة بالاثم"

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کر تو نخوت اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے۔ (۲-۲۰۶)

حضرت عمر رض سے روایت ہے کہ جب انھوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو فرمایا۔ انا للہ وانا الیه راجعون۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے امر بالمعروف کیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ اور فرمایا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں جو عوام میں عدل کا حکم کرتے ہیں۔ جو شخص متکبر ہوتا ہے وہ اس شخص کو قتل کر ڈالتا ہے جو اسے نیکی کا حکم دیتا ہے یا اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی وجہ تکبر ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد دیکھو:-

واذا بطشتم بطشتم جبارین۔

اور جب تم کسی پر دار و گیر کرتے ہو تو بالکل ظالم بن کر کرتے ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کو گنہگار کرنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ یہ جواب دے کہ تم اپنی خبر لو، تم مجھ سے یہ بات کہتے ہو؟"

ایک شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھایا کرو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کی قدرت نہیں ہے آپ نے فرمایا "لا استطعت" یعنی تجھے کبھی قدرت نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس شخص کو تکبر نے میری بات ماننے سے روک دیا" راوی کہتا ہے

کہ واقعی اس شخص کا یہ حال ہو گیا کہ وہ اپنے منہ تک اپنا ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ نیز یہ روایت سلمہ ابن الاکوع رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں اور ان کو ذلیل و حقیر جانتا ہے یا کسی حق بات کو رد کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ حق ہے تو اس نے اپنے اور خلق کے درمیان والا تکبر اختیار کر لیا اور کبھی یہ تکبر جو بندے اور دوسری مخلوق کے درمیان ہوتا ہے، انسان کو اپنے اور باری تعالیٰ کے درمیان والے تکبر تک پہونچا دیتا ہے، جیسا کہ ابلیس کے طرز عمل سے ظاہر ہے۔

ابن عجلان فرماتے ہیں کہ ابلیس نے صرف اتنی ہی بات کہی تھی کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ پس جب اس کی یہ رائے ہوئی کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو اس نے تکبر اختیار کیا کہ میں کیسے سجدہ کر سکتا ہوں۔ حالاں کہ وہ جانتا تھا کہ یہ ہلاکت کی بات ہے کیوں کہ اس نے باری تعالیٰ کے حکم کو رد کر دیا، چنانچہ اس نے نافرمانی کرتے ہوئے "لا اسجد" کہا (میں اسے سجدہ نہیں کروں گا) اس فعل کا سبب تکبر تھا کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ میں آدم سے برتر ہوں۔ کیوں کہ میری اصل آگ ہے اور آدم کی اصل مٹی ہے اور آگ مٹی سے زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ مٹی کو کھا جاتی ہے۔ ابلیس کی اس غلطی کی وجہ یہ تھی کہ باری تعالیٰ کی ذات کو نہ پہچان سکا اور آدم سے نفرت کرتا تھا آدم کے مقابلہ میں تکبر نے اسے اس حد تک پہونچا دیا کہ اس نے باری تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اس بنا پر وہ کافر ہو گیا اور باری تعالیٰ نے اسے لعین قرار دیدیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو آپ نے ثابت بن قیس بن شماس رض کے سوال کے جواب میں فرمایا، اس تمام کیفیت کا جامع ہے۔ حضرت ثابت رض نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جمال محبوب ہے کیا یہ کبر کی علامت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، کبر اس بات کا نام ہے جو کہ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں ہو اور انسان دوسرے کو حقیر جانے"۔ دوسری حدیث میں مضمون یہی ہے مگر الفاظ جدا ہوئے ہیں۔

پس جو شخص تکبر اختیار کرے اور حق تعالیٰ کا حکم قبول کرنے میں ناک بھوں چڑھائے اور اس بات سے بچنا چاہے کہ حق تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے کو ذلیل اور خاضع بنائے تو اس نے تکبر کی وہ قسم اختیار کر لی جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور جس شخص نے یہ سمجھا کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں اور ان کو حقیر جانتے ہوئے حق بات کو رد کر دیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بات حق ہے تو اس نے تکبر کی وہ قسم اختیار کی جو اپنے اور بندوں کے درمیان ہے۔ خوب سمجھ لو کہ کبر کی اصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو عظیم المرتبت جانے بندوں کو حقیر اور ذلیل جانے اور حق کو جان لینے کے بعد رد کر دے یہ تکبر کی تمام اقسام کو جامع ہے۔

میں نے پوچھا کہ وہ تکبر کون سا ہے جو خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے وہ دین کے امور میں علم اور عمل سے پیدا ہوتا ہے علم کی جہت سے تو اس طرح کہ جب عالم اپنے علم سے خوش ہوتا ہے تو یہ خوشی اسے تکبر تک لے جاتی ہے۔ پس وہ عوام کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگتا ہے۔ حالاں کہ یہ ممکن ہے کہ عوام میں بعض لوگ اس سے زیادہ متقی ہوں اور یہی بات ہے جس کی طرف سیدنا حضرت فاروق اعظم رض نے اشارہ فرمایا کہ مجھے علماء کے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ مبادا علم کی وجہ سے ان میں تکبر پیدا ہو جائے پس علماء کو لازم ہے کہ متکلم کے سامنے تواضع اختیار کریں اور جابر علماء میں شامل نہ ہوں کیوں کہ خدا کے نزدیک تمہارا علم تمہارے جہل کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا مطلب یہ ہے کہ خواہ انسان کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو پھر بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں جنھیں وہ نہیں جانتا)

بقیہ ص ۱۸ پر

حلم اور عفو

از مولانا عبد الرؤف صاحب جھنڈا نگری عفی عنہ

حلم اور بردباری کے معنی یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کرلیا جائے اور قصوروار سے اس کے لئے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

خدا کے نیک بندوں کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ اکثر عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں۔ واذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلاما ——— (قرآن)

یعنی جب نادان لوگ ان سے نادانی کی بات کرتے ہیں تو یہ ان کو سلامتی کا جواب دے کر گذر جاتے ہیں۔

یہ انسان کا بڑا کمال ہے کہ اپنے مخالف اور دشمن کے ساتھ نیکی کرے اور اس کی برائیوں کا جواب برائیوں سے دے بلکہ عفو و درگذر سے کام لے۔ کیوں کہ دونوں کو اپنے اپنے انجام کو پانا ہے۔

قل للذین آمنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون ومن عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا ثم الی ربکم ترجعون (جاثیہ)

یعنی ایمان والوں سے کہدو کہ ان کو جو اللہ تعالیٰ کے جزا و سزا کے واقعات پر یقین نہیں رکھتے معاف کردیا کریں۔ تاکہ لوگوں کو ان کے کاموں کا بدلہ ملے اور جس نے اچھا کیا اپنے بھلے کے لئے اور جس نے برا کیا اس نے اپنے لئے کیا۔ پھر تم لوگ اپنے رب کے پاس لوٹائے جاؤگے۔

آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ کسی منافق یا کافر نے کسی مسلمان سے کوئی بدتمیزی کی بات کی تھی اور اس پر بعض مسلمانوں کو طیش آگیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور مسلمانوں کو عفو و درگذر کی نصیحت فرمائی۔

غم و غصہ کے اظہار کا اصل وقت وہ آتا ہے جب انسان کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے۔ لیکن اس حالت میں بھی اسلام نے عفو و درگذر سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسطح حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے اور وہ ان کی کفالت کرتے تھے لیکن انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تہمت میں حصہ لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی مالی امداد بند کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم (نور)

(اور تم میں سے جو لوگ صاحب احسان اور کشادگی رکھنے والے ہیں۔ قرابت داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مدد و خرچ) نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں بلکہ چاہیے کہ ان کے قصور بخشیں اور درگذر کردیں کیا تم نہیں چاہتے ہو کہ خدا تمھارے قصور معاف کردے، اور اللہ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔)

اسی آیت کے آخری ٹکڑے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو دوسروں کے قصوروں کو معاف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے قصور کو درگذر فرمائے گا۔ یہ اخلاقی وصف انتہا درجہ کی کشادہ دلی سے پیدا ہوتا ہے۔

اسلام نے عفو و درگذر کی ایسی معتدل تعلیم دی ہے جس کے ساتھ خودداری کی شان بھی قائم رہتی ہے۔

والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظالمین۔

اور جو ایسے غیرت مند کہ جب ان پر زیادتی ہو تو وہ بھی بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ لیکن جس نے اصلاح کیا اور معاف کردیا تو ان کا اجر خدا کے پاس ہے بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

انتقام جماعتی قانون ہے۔ اور عفو و درگذر افراد کا اخلاقی کمال ہے۔ جماعتی قانون کی قوت کے موجود ہوتے ہوئے افراد کا آپس میں عفو و درگذر سے کام لینا ایک بلند اخلاق ہے جس کی مزدوری کی ذمہ داری احکم الحاکمین نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اور بتایا ہے کہ ظلم کرنے والے خواہ وہ ہوں جو بے سبب ظلم کر بیٹھیں۔ یا وہ جو انتقام کے جوش میں آگے بڑھ جائیں، خدا کی محبت سے محروم ہیں۔ انتقام کا حق حاصل ہونے کے بعد عفو و درگذر خودداری کے منافی نہیں ہوتا بلکہ بڑی ہمت کا کام ہوتا ہے کہ انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے بھی اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر عفو و درگذر کرتا ہے ارشاد ہے۔

ولمن صبر وغفر ان ذالک من عزم الامور (شوریٰ)

البتہ جو شخص صبر کرے اور دوسرے کی خطا بخشدے تو بیشک بڑی ہمت کے کام ہیں۔

بڑی عزیمت اور بلند کرداری کی بات ہے جو لوگ ایسے موقع پر ضبط نفس کا ثبوت دیں۔ ارشاد ہے۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔ (آل عمران)

یعنی غصہ دبا لیتے ہیں اور موذی لوگوں کے قصور معاف کردیتے ہیں (اس لئے کہ) احسان کرنے والے خدا کو بھاتے ہیں۔

مثالی درگذر:- جب کہ فتح ہوا اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو وہ لوگ خائف تھے جنھوں نے نبی کریمؐ کی شان میں بڑی بڑی بدتمیزیاں کی تھیں اور خوفزدہ تھے کہ آج محمدؐ ہم سے اپنا بدلہ ضرور لیں گے۔ وقت تھا کہ آپ ایک ایک سے بدلہ لیتے۔ قدرت بھی مکمل طور سے حاصل تھی ہر ایک کو اس کے کیفر کردار تک پہونچا سکتے تھے۔ لیکن رحمۃ للعالمین کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان سے اپنا انتقام لے کر اپنا جوش ٹھنڈا کریں۔ آپؐ نے مکہ کے تمام کافروں کو آزادی عطا کردی۔ اور اعلان فرمایا۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء۔ یعنی جاؤ تم سب آزاد ہو اور آج سے تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔

ابتدائے نبوت کا زمانہ ہے آپؐ تبلیغ کے لئے مکہ سے طائف تشریف لے جاتے ہیں۔ نیت میں کتنا اخلاص اور ارادے میں کتنی پاکیزگی اور دل میں نجات کا کتنا بے پناہ جذبہ تھا۔ کہ آپؐ مکہ سے طائف تبلیغ کے لئے پہونچے۔ آپ نے طائف کے باشندوں کو دعوت دی وہ دعوت جو ان کے لئے نجات کی ضامن تھی۔ حق تو یہ تھا کہ طائف والے آپؐ کو ہاتھوں ہاتھ لیتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ آپؐ کو آپؐ کے دعوت کی سزا دی شکاری کتوں کو آپؐ کے پیچھے چھوڑا۔ پتھروں سے مارا اور بازاری لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ اور اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ جوتے خونوں سے چپک گئے۔ غلام باوفا زید بن حارثہ آپؐ کو کندھوں پر لاد کر لائے۔

جبریل امینؑ نے نازل ہو کر اجازت چاہی کہ اگر اجازت دیں تو ان طائف والوں کو ابھی دونوں پہاڑوں کے درمیان اس طرح پیس دوں جس طرح چکی آٹا پیستی ہے۔ مگر رحمۃ للعالمین نے جواب دیا کہ۔ نہیں ہرگز نہیں، پھر خدا کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے۔

خدایا میں نے ان کو معاف کیا یہ بے چارے نادان ہیں تو ابھی انھیں معاف فرما دے۔ انھیں ہدایت دے یہ نہیں تو ان کی نسل ضرور مسلمان ہوگی تو انھیں معاف کردے۔

آج تاریخ ایسی مثالی درگذر کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عربوں کا دور مظلومیت ختم کرنے کیلئے

ہم نے کیا کیا؟

مولانا غلام رسول مہر

جمہوریہ امریکہ اسرائیل کو برابر خونریز اور ہلاکت بار اسلحہ بہم پہونچا رہی ہے اور ولیم راجرس، صدر نکسن کے مشیر ہی فرما چکے ہیں کہ جب تک روس عربوں کو اسلحہ بہم پہونچاتا رہے گا۔ امریکہ اسرائیل کی امداد دیتا رہے گا۔ اور اتنے طیارے بہم پہونچائے گا کہ مشرق وسطیٰ کی تمام عرب مملکتوں پر اسرائیل کو فضائی برتری حاصل رہے دیکھیے امریکہ کا مقابلہ روس سے ہے، مگر اس کے لئے میدان مشرق وسطیٰ کو بنایا ہے اور اسلحہ لینے کی سزا عربوں کو دی جا رہی ہے۔ گویا آرزو یہ تھی کہ عرب بے دست و پا بیٹھے رہیں اور اسرائیل امریکی طیاروں کے بل پر عربوں کے علاقوں میں جہاں چاہے صبح و شام قیامت برپا کرتے رہے۔ یہ خدمت امن عالم کا امریکی تصور ہے آج امریکہ کو بالکل یاد نہیں کہ ۱۹۴۵ء میں ہٹلر کی جرمنی کے کارفرماؤں کو جنگی مجرموں کی حیثیت سے پھانسی کی سزا دلائی گئی تھی۔ ان کے جرم، والیان یا دوسرے کارفرمایان اسرائیل سے ہرگز بدتر نہ تھے۔ لیکن قوت و طاقت کے غرور کی یہ ویسی ہی بیہ ستی ہے۔ جس کی بنا پر ہٹلر دنیا کے لئے سالہا سال تک آفت بنا رہا تھا اور کون ہے جس کا یہ غرور ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے۔

امریکہ کیا چاہتا ہے

سوال یہ ہے کہ آیا جمہوریہ امریکہ کے نزدیک مشرق وسطیٰ میں امن عالم کی صرف یہی منصفانہ صورت ہے کہ اسرائیل کو زیادہ سے زیادہ طیارے دے کر عربوں کے لئے زندگی اجیرن بنا دے اور انھیں قوت و طاقت سے اسرائیل کی مصلحتوں کے مطابق چلنے پر مجبور کردے کیا منشور اوقیانوس ایسے ہی مقاصد پر مشتمل تھا۔ اور انجمن اقوام متحدہ کے مقاصد کو تقویت پہونچانے کی یہی صورت ہے روس کے ساتھ مقابلہ کے سینکڑوں دوسرے میدان موجود ہیں ....

....

معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ آج انجمن اقوام متحدہ کو اسی مقام پر پہونچانے کے درپے ہے۔ جہاں فرانس اور برطانیہ نے جمعیۃ اقوام کو پہونچایا تھا۔ یہ تو ہرگز ایسا قابل فخر کام نہیں جسے کوئی اپنے لئے زیبا سمجھے۔

اب حقیقی صورت حال پر غور فرمائیے

۱۔ کیا اس حقیقت سے دنیا کا کوئی سلیم الحواس فرد ایک لمحے کے لئے بھی اختلاف کرسکتا ہے کہ اسرائیل نے جون ۱۹۶۷ء میں مصر، اردن اور شام کے خاصے بڑے علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا اور وہ .... اب تک ان علاقوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔

۲۔ کیا اس حقیقت سے کسی کو اختلاف ہے کہ اسرائیل ان علاقوں میں سے مختلف خطوں کو نیز قدس شریف یعنی یروشلم کو چھوڑنے سے پورے زور کے ساتھ انکار کر رہا ہے۔

۳۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اسرائیل کو اصرار ہے عرب براہ راست گفتگو کے لئے تیار ہو جائیں۔ ورنہ علاقوں پر قبضہ بحال رہے گا۔ اور .... جنگ علاً جاری رہے گی۔

اگر ان حقائق کی درستی میں کوئی شبہ ہو تو مہربانی فرما کر اس کی نشان دہی کی جائے۔ اگر یہ سب کچھ درست ہے تو فرمایا جائے کہ امریکہ اسرائیل کی حمایت و امداد کے لئے جد و جہد کر رہا ہے۔ انجمن اقوام متحدہ کے اصول و مقاصد کے مطابق اس کے لئے وجہ جواز کیا ہے اگر انجمن اقوام متحدہ کا وجود صرف اس لئے ہے کہ وہ امریکہ یا کسی دوسرے طاقتور ملک کی خواہشوں اور آرزوؤں کے تابع رہے تو آخر اس وجود سے اقوام عالم کو کون سے فائدے کی امید ہوسکتی ہے؟ یہ انجمن اقوام عالم کی متحدہ رائے بروئے کار لانے اور امن قائم کردینے کے لئے وجود پذیر ہوئی تھی۔ اس کے سوا اس کا کوئی مقصد نہ تھا۔ اگر کمزور اور بے دست و پا قوموں کی تقدیر وہی ہے، جو آج مشرق وسطیٰ کے عربوں کی ہے تو مصیبت کے ماروں کے لئے اس انجمن کے وجود سے اس کا عدم ہی بہتر ہے۔

پھر اس حقیقت پر غور فرمایئے کہ عرب متصرفہ علاقوں کو ظالم دشمن کے قبضے سے آزاد کرانے کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ کیونکہ معاملہ حق و انصاف کی بنا پر نہیں ہوسکا انجمن امریکہ کی وجہ سے عملاً معطل ہوچکی ہے اور عربوں کو اپنے گھر بار، اپنی صنعتیں اور اپنی بستیوں کو بچانے کے لئے باہر سے اسلحہ لینے پڑ رہے ہیں۔ اب امریکہ اور روس کے موقف پر ایک نظر ڈالئے۔

۱۔ روس عربوں کو اس لئے امداد دے رہا ہے کہ وہ مظلوم ہیں اور اپنے علاقے غاصب دشمن کے قبضے سے آزاد کرانے کے لئے اسلحہ کے بغیر بالفعل کچھ نہیں کرسکتے۔

۲۔ اس کے برعکس امریکہ غاصب، جابر اور ظالم اسرائیل کی امداد کر رہا ہے۔ گویا غصب، جبر اور ظلم کی حمایت میں سرگرم ہے۔ دوسرے لفظوں میں عربوں کی مصیبت کا ذمہ دار امریکہ ہے۔ لہٰذا وہ بات کہہ کر معاملہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح ولیم راجرس نے اسے ختم کرنا چاہا ہے۔

نیز ولیم راجرس کی کس کس بات کو پیش نظر لایا جائے ابھی کل کا واقعہ ہے کہ فرانس نے لیبیا کو طیارے دینے کا اعلان کیا تھا۔ ولیم راجرس نے جوش غیظ میں فرانس کے اس فعل کو "بین الاقوامی غیر ذمہ داری" قرار دینے میں تامل نہ کیا۔ ولیم راجرس اسرائیل کو جو اسلحہ بہم پہونچا رہا ہے وہ بدرجہا بدتر بین الاقوامی غیر ذمہ داری ہے۔ لیبیا کا بالفعل کسی سے برسرپیکار نہیں ہے۔ لیکن اسرائیل تو عربوں کے غصب کردہ علاقوں کو قبضہ میں کرنے کے لئے لڑ رہا ہے۔ اور انجمن اقوام متحدہ کے اصول و مقاصد کو ٹھکرا رہا ہے۔ تاہم انجمن اقوام متحدہ کا بانی رکن ہونے کے باوجود امریکہ نے اسرائیل کی امداد میں قطعاً تامل نہ کیا۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ چین دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کی آبادی آج ستر کروڑ سے بھی بڑھ گئی ہے۔

امریکہ اور روس دونوں مل کر بھی بہ اعتبار آبادی چین کی برابری نہیں کرسکتے۔ لیکن امریکہ نے بیس برس سے انجمن اقوام متحدہ کا دروازہ چین پر بند کر رکھا ہے اور بانی رکن کی مستقل نشست چیانگ کائی شک کے خیالی نمائندوں کے حوالے کر رکھی ہے اس دنیا میں یہ طرفہ اصول بھی صرف امریکہ کو دنیا معلوم ہوا کہ ستر کروڑ انسان نمائندگی کے مستحق نہیں۔ کیا ولیم راجرس نے کبھی سوچا کہ اسے بین الاقوامی اعتبار سے کیا کہا جائے۔

جب قوموں کے دل و دماغ پر اوہام چھا جاتے ہیں تو ان سے عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہوتی ہیں۔ انھوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ تیز و تند سیل کے تنکوں سے روکنا عقل و دانش کے ساتھ کھلی ہوئی دشمنی ہے۔

اس معاملہ کا ایک اور پہلو بھی ہے، جسے حق بقا کہتے ہیں یعنی اسرائیل کو بھی جینے کا حق ہے۔ بے شک جینے کا حق ہے لیکن کہاں؟

سوال یہ ہے کہ کیا عربوں نے اسرائیل کو فلسطین سے نکالا تھا؟ انھیں پہلے اشوریوں نے نکالا۔ پھر بخت نصر نے نکالا۔ سب سے آخر میں ٹائٹس رومی نے نکالا جو کم و بیش ایک ہزار نو سو سال پیشتر کا واقعہ ہے۔ عرب ابتدا سے فلسطین میں آباد ہیں۔ چودہ سو سال پیشتر اسلام کا ظہور ہوا تھا تو فلسطین میں برائے نام یہودی آباد تھے مسلمانوں کے عہد حکومت میں ان کی تعداد گھٹتی نہیں بڑھتی گئی بلکہ یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ جب یورپی ملک مسیحیت کے جنون میں یہودیوں کو قافیہ تنگ کر رہے تھے تو ان کے لئے صرف اسلامی ملکوں میں پناہ گزین ہونا ممکن تھا۔ لیکن یہ سب سے بڑی کافر نعمت قوم مسلمانوں ہی کی دشمن بنی۔

کوئی امریکی مدبر یا عالم بتائے کہ یہودیوں کا حق بقا فلسطین میں کب شروع ہوا؟ یہ اٹلی ہی جائیں جس

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

صحیح راستہ کی طرف

تحریر: استاذ عبداللہ العقیل کویت
ترجمہ: عبدالجبار ندوی

اگر ہم اپنے احول اور اپنی حقیقت پر نظر غائر ڈالیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہم اپنے عقیدے کے سایہ اور اپنی تہذیب کی شرافت تک سے کتنی دور ہیں۔ حقیقت میں ہم ایک ایسی امت بن کر رہ گئے ہیں جس کے پاس اخلاق ہیں نہ مقاصد، جو نئے اصولوں و مذاہب کی سراب کے پیچھے دوڑ رہی ہے اور ان شیریں آرزوں سے خوش بختی و سعادت کی توقع رکھتی ہے جن کا ماحصل قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے

كسراب بقيعة يحسبه الظمآن ماء حتى اذا جاءه لم يجده شيئا۔

یہ صحیح ہے کہ قوموں پر کچھ ایسے دور بھی آتے ہیں جب وہ اپنی شاندار روایات اور بہترین تہذیب کو بھول کر زندگی کی حقیر اور بیکار چیزوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان کی عقلی و اجتماعی سرگرمی کا رخ لہو و لعب اور لغویات کی طرف پھر جاتا ہے۔

یہ لمحے زندہ انسان کو بے ہوش اور سوچنے والی عقل کو معطل بنا دیتے ہیں جب یہ لمحے طویل ہو جاتے ہیں تو انجام کار شکست و ہزیمت کا سبب بنتے ہیں ان ہی لمحات میں جون کی وہ خون آشام تاریکیاں بھی ہیں جن کا زخم ابھی تک تازہ ہے اور رِس رہا ہے۔

ہمارا فریضہ ہے کہ آج ہم اس دین کی حقیقت کو پوری قوت کے ساتھ لوگوں کے سامنے واضح کریں جو قوموں کی ہدایت کے لئے آیا ہے تاکہ یہ المناک حادثہ دوبارہ نہ ہو۔ اپنی نسلوں کے لئے ایک نئی آب و ہوا تیار کریں تاکہ خدا کے راستہ پر چلنا ان کے لئے آسان ہو اور وہ عصر حاضر کے لئے دجالوں کی شعبدہ بازی سے محفوظ و مامون رہیں۔

قدیم و جدید تجربوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ صرف یہی دین طاقت و ہمت کے بڑھانے اور ہر جگہ ظلم و فساد کی سرکوبی پر قادر ہے۔

میدان کارزار، تختۂ دار اور جیل خانوں کی دیواریں اس بات پر شاہد ہیں کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی اور اپنے عقیدہ کی راہ میں ہر جبر گوارا کر جانا یہی لوگ اپنی قوت ایمانی کے ذریعہ سرکشوں اور ظالم لوگوں پر غالب آئے۔

ہمیں یقین ہے کہ دشمنان اسلام کی وہ تمام کوششیں جو اسلام کو اس کی اصل حقیقت اور سرچشمۂ قوت سے دور رکھنے اور تنگ دائرہ میں محصور کرنے کے لئے ہو رہی ہیں۔ منقریب شکست و ناکامی کا منہ دیکھیں گی اس لئے کہ اسلامی طریقۂ حیات جس طرح نسل انسانی کی کسی جماعت یا کسی خاص ماحول کا مقامی نظام نہیں اسی طرح وہ کوئی پرانا نظام بھی نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا نظام ہے جو ہر جگہ اور ہر زمانہ میں زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ عالمگیر دین عربوں کو امتیازی خصوصیت عطا کرتا اور ان کو تمام اجناس انسانی میں ایک فائق عنصر تسلیم کرتا ہے۔ حالانکہ یہ سب کی سب باطل عصبیت ہے جس کا دین میں کوئی مقام ہے نہ رب العالمین کے نزدیک کوئی وزن۔

دشمنان اسلام نے مع اپنے متبعین کے بارہا مسلمانوں پر اپنی طاقت آزمائی لیکن ہر مرتبہ انھوں نے محسوس کیا کہ طاقت و قوت کا استعمال مسلمانوں کی شجاعت و بہادری کو بھڑکانے اور ان کی غیرت و نخوت کو ابھارنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے انھوں نے مال و دولت کی طرف رجوع کیا۔ اور اس کی کوشش کی کہ اس کے ذریعہ کمزوروں اور غریبوں کو فریب دیں، انھوں نے جاہلوں کو عہدہ و منصب کی لالچ دی۔ خواہشات کا جال پھیلایا۔ تخریبی تحریکوں کو ہوا دی تاکہ ناواقف اور سادہ لوح اس کی زد میں آجائیں۔

نتیجہ یہ کہ امت نے اپنا احساس کھو دیا۔ اس کی نشاۃ ثانیہ ہی مشکوک ہو کر رہ گئی۔ اور اس کی فصیل کے چاروں جانب غضبناک موجیں آ آ کر ٹکرا رہی ہیں مغرب کے شاگردوں اور اشتراکیت و صیہونیت کے والوں نے بہت سے دلچسپ قصے کہانیاں تیار کر لی ہیں جن میں وہ اپنی شکستوں کے اسباب بیان کرتے اور اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں وہ کرایہ کی رونے والیوں کی طرح روتے اور اسلام سے خارج ہونے کی کوشش میں مصروف ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس کا سبب جمود و غفلت اور رجعت پسندی ہے۔

حالانکہ زمانہ نے ان مدعیان [illegible] کو معاف نہیں کیا ان کی جعل سازی اور کھوٹ اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے۔ ان کے تاریک چہروں سے وہ نقاب الٹ گیا ہے اور اس کی اصل حقیقت بے پردہ ہو کر سب کے سامنے آگئی ہے، جو جادو پہلے بہت آسانی سے چل جاتا تھا اب بے اثر ہو کر رہ گیا ہے۔ امت اپنے راستہ سے واقف ہے اسے معلوم ہے کہ اپنے عقیدے اور مقدس مقامات کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔ ابھی چند روز ہوئے مسلمانوں کے مقدس مقامات سے دفاع کرتے ہوئے ایک اسلام پسند مسلمان نے جام شہادت نوش کیا یہ اس قافلہ کے چوتھے شہید ہیں جو آزادی فلسطین کے لئے معروف جہاد ہے۔ یہ فلسطین و شام اور اردن کے باقی ماندہ مخلص فرزند تھے جن کو تحریک اسلامی نے آگے بڑھایا ان کا خون جنوبی یمن اور سرزمین فلسطین سے ہوتا ہوا اس عالم ابدی کی طرف رواں ہے، جہاں فنا کا گذر نہیں۔

اے ہمارے شہداء! (عاشور، مومن، رضیان اور یا عباد) جلد ہی نصرت و مدد کے جھنڈے لہرائیں گے۔ اور آزادی کا آفتاب طلوع ہوگا۔"

ويقولون متى هو قل عسى ان يكون قريبا۔

مجاہدین سر کف بڑھے جو نذر جاں لئے
تو موت بادب بڑھی حیات جاوداں لئے

سول ایجنسیاں
اودھ جنرل اسٹور
امین آباد
لکھنؤ
ایم ایس ظہیر اینڈ سنس
چمن گنج
کانپور

فاطمہ ھیروین (جرمن نو مسلمہ)
ترجمانی: خمیرہ کیف نوگانوی بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ۔ (بھنڈارہ)

تہذیب مغرب اور اسلام

ایک مسلم ملک کے دوران قیام میں بہت سی شادی کی تقریبوں میں شریک ہوئی بجلی کے قمقموں سے روشن مکانات، زرق برق لباسوں میں ملبوس خوبصورت دلہنیں، اور میزوں پر سجے ہوئے شادی کے تحفے میں کبھی نہ بھول سکوں گی۔ ان دلہنوں اور تمام مسلم خواتین کی خدمت میں اپنا یہ مضمون بطور تحفہ پیش کرتی ہوں۔

میں اپنی بہنوں کو سمجھانا چاہتی ہوں کہ میں نے اس زندگی کو کیوں ترک کیا جسے وہ کھلے یا چھپے طور سے اپنانے کی آرزو کرتی ہیں۔ وہ عوامی زندگی میں مردوں کے بالمقابل آنا چاہتی ہیں۔ وہ اپنے خاندان کی بزرگ خواتین کی طرح پردے کی پابندی نہیں کرنا چاہتی اور سمجھتی ہیں کہ [illegible] خاندانی منصوبہ بندی کے اصولوں پر اگر انھوں نے عمل نہیں کیا اور بچوں کی تعداد یونہی بڑھتی رہی تو ان کی جوانی اور حسن اور عیش و آرام چھن جائے گا مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک نے ان کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا ہے اور وہ اپنے مقصد وجود کو بھول گئی ہیں۔ عورت فطری طور سے نرم مزاج اور شفقت و محبت کا پیکر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خدمت کے ایک عظیم مقصد کی خاطر اسے یہ خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ عورت کو مغرب کے سطحی اور مادہ پرستانہ مقاصد کی خاطر اپنی ان مخصوص خصوصیات کو قربان نہ کرنا چاہئے۔ اگر عورت نے ایسا ہی کیا تو یہ بات دنیا کی تباہی و ہلاکت کا باعث ہوگی۔ اسی نکتہ کو سمجھانے کے لئے یہ مضمون سپرد قلم کر رہی ہوں۔

آج سارے مسلم ممالک مغربی تہذیب کے نرغے میں ہیں مغربیت مسلم خواتین پر غالب ہوتی جا رہی ہے جس کے نتیجہ میں مسلم خواتین ایک بیوی اور ماں کی حیثیت سے اپنے آپ کو کمتر و حقیر سمجھنے لگی ہیں۔ وہ مغربی ممالک کی ان خواتین کے نقش قدم پر چلنا چاہتی ہیں جو ظمی صنعت، فنون لطیفہ اور کاروباری زندگی میں مختلف حیثیتوں سے پیش پیش ہیں اور اس بات کو بالکل فراموش کر چکی ہیں کہ ناپائیدار حسن عارت جلد ہی زمین پر آرہے گی۔

جدید تہذیب کی ایک جھلک:-

آیئے دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ قوم کی حیات اجتماعی کے ایک پہلو کا جائزہ لیں جو نشہ آور چیزوں کے متعلق ہے۔

ایس۔ ایس۔ ڈی۔ حشیش اور ہیروئن کا کاروبار امریکا میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ ہر سال ان منشیات کے تاجروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے [illegible] میں آٹھ ہزار تاجر پکڑے گئے تھے [illegible] تک ان کی تعداد اکتیس ہزار ہو گئی اور اندازہ ہے کہ امسال صرف کیلیفورنیا میں ان کی تعداد پچاس ہزار ہو جائے گی۔

نیویارک کے شہر میں تقریباً چالیس ہزار رجسٹرڈ منشیات کے عادی ہیں۔ متعلقہ افسروں کا خیال ہے کہ تقریباً ساٹھ ہزار افراد ایسے ہیں جو اپنا نام رجسٹرڈ کروائے بغیر ہی نشہ آور چیزوں کا استعمال کرتے ہیں۔ گذشتہ ماہ جون میں ہیروئن کے استعمال کی وجہ سے ایک سو تین افراد ہلاک ہو گئے جن میں سب سے کم عمر ایک پندرہ سالہ طالب علم تھا۔ واشنگٹن کے کچھ اسکولوں میں تقریباً ایک تہائی طلبہ نشہ آور اشیاء کے عادی ہیں جن میں ایک آٹھ سالہ بچہ بھی شامل ہے۔ ویت نام میں امریکا کے تقریباً نصف فوجی "POT" کا استعمال کرتے ہیں ان میں بہت کم ایسے ہیں جو وطن واپس ہونے کے بعد اسے ترک کرتے ہیں۔

ان مجرموں کی مائیں:-

نیویارک کے ایک انگریزی اخبار "ٹائم" نے لکھا ہے کہ امریکا کا اخلاقی قدروں کا ڈھانچہ منشیات کی وجہ سے متزلزل ہے۔ یہ اخبار مزید لکھتا ہے کہ ملک میں چوریوں اور ڈاکوؤں کی تقریباً نصف وارداتوں کے ذمہ دار وہ نشہ خور ہیں جو چور بازار سے ہر سال ساڑھے آٹھ ارب ڈالر کی ہیروئن خرید کر استعمال کرتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار کتنے ہولناک ہیں۔ آج کے منشیات کے شیدائی اور تاجر جو جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں کل بچے تھے ان بچوں کی مائیں زیادہ تر وہ خواتین تھیں جو ایک کامیاب سکریٹری پرکشش سیلس گرل یا گھروں کی صفائی کرنے کے لئے اپنی کاروں میں جاتی تھیں ایک بیوی اور ایک ماں کی حیثیت سے گھر میں وقار کے ساتھ رہنا انھیں پسند نہ تھا۔ انھیں کھانا پکانے سینے پرونے اور گھر کی صفائی جیسے امور خانہ داری سے نفرت تھی۔ بخلاف اس کے وہ آپ اپنی روزی کمانے کے لئے باہر رہتی تھیں اور بازار کا پکا ہوا کھاتا۔ ریڈی میڈ کپڑے اور اپنی غیر حاضری میں بچوں کو مشغول رکھنے کے لئے کھلونے لاتی تھیں شام کو جب وہ گھر واپس لوٹتیں تو تھک کر چور ہو جاتیں اور یا تو بچوں کو جلد سلانے کی کوشش کرتیں یا ٹیلی وژن کے پردے کے سامنے سب کو بٹھا دیتیں۔ وہ ٹیلی وژن جو جرم و گناہ کی کہانیوں کے مناظر پیش کرتا اور پورے خاندان کو ذہنی غذا فراہم کیا کرتا۔

داخلی خلاء اور احساس تنہائی:-

زندگی کی ہما ہمی اور مادی چیزوں کو حاصل کرنے کی ہوس میں انھیں اپنے انجام کو سوچنے کی فرصت تھی نہ اخلاقی و روحانی ترقی کے لئے کوشش کا خیال۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بچے جو اپنے آپ کو اس دنیا میں تنہا محسوس کرتے تھے ان بچوں کو اپنا دوست بنا لیتے تھے جو انھیں کی طرح اکیلے ہوتے ان کے سامنے کوئی بہتر مقصد نہیں ٹیلی وژن کا پردہ اس کے سوا انھیں اور دے بھی کیا سکتا ہے۔

داخلی خلاء اور تنہائی کا احساس انھیں ایک مصنوعی دنیا میں پناہ لینے پر مجبور کرتا اور وہ پناہ گاہ ہے نشہ آور اشیاء کی عطا کردہ بے خودی جو خود فراموشی کی!

اس میں شک نہیں کہ مغربی ممالک نے سائنس اور ٹکنالوجی کے میدانوں میں زبردست ترقی کی ہے لیکن ساتھ ہی اس امر کو بھی شدت سے ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مغرب کی ہر بات قابل تقلید نہیں ہے خاص طور سے مغرب کی خاندانی معاشرتی اور سماجی زندگی ہمارے طریق زندگی اخلاق اور روحانی قدروں کے یکسر خلاف بلکہ ان سے متضاد ہے۔

باران رحمت:-

میں مغرب میں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی اس لئے جو کچھ لکھ رہی ہوں اس کی بنیاد میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ مغربی دنیا کی لڑکیوں کی طرح میری بھی پرورش ہوئی۔ دوسری لڑکیوں کی طرح میری بھی تعلیم و تربیت اسی طرح ہوئی کہ میں بھی آئندہ چل کر خود کمانے کے قابل ہو سکوں اچھی بیوی اور ماں بننے کی حیثیت ثانوی درجہ رکھتی تھی۔ میں نے یہ سب تسلیم کر لیا کیوں کہ مجھے اس کے سوا عورت کی کسی اور برتر و باعزت حیثیت کا علم ہی نہ تھا۔ اسلام سے واقفیت کے بعد جب میں نے اپنے شوہر اور دیگر اہل خاندان کے سامنے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو سب کو انتہائی تعجب ہوا۔ انھوں نے کہا کہ ایک مسلمان عورت کی حیثیت میں مجھے اپنی ہر قسم کی آزادی قربان کر دینی ہوگی اور میں کبھی خوش و خرم نہ رہ سکوں گی

بقیہ صفحہ پر

دل یا مراد آباد کا مسافر خانہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے چند مفید و پر لطف ملفوظات

از:- احمد سعید، ایم اے

ایک مرتبہ اس بات کا تذکرہ فرما رہے تھے کہ قلب کا تعلق خدا کے سوا کسی اور سے نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اس میں خدا کی یاد کے سوا اور کوئی فکر نہیں ہونی چاہیئے اس کو اس طرح بیان کیا کہ آجکل لوگوں نے قلب کو مراد آباد اسٹیشن کا اسلامی مسافر خانہ بنا رکھا ہے۔ کہ سب وہاں آکر ٹھہرتے ہیں۔ بریلی والے بھی سہارنپور والے بھی یہاں قلب تو ایک ہی کے رہنے کی جگہ ہے۔

ایک بچہ تعویذ لینے کے لئے آیا۔ فرمایا یہ نیاز کا لڑکا ہے۔ اس کا نام ایاز ہے۔ .... یہ نام میں نے ہی رکھا ہے۔ قافیہ کی رعایت سے ایک روز میں نے نیاز سے کہا تھا کہ اگر تمہارے گھر لڑکا پیدا ہو تو کیا نام رکھو گے، قافیہ کا نام اب تو مشکل ہے، ہاں ایک ہے پیاز۔ جب نام کا قافیہ نہیں رہتا تو قافیہ تنگ ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے بیعت کرنے کے لئے آپ کو خط لکھا کہ اگر حضور نے مرید نہ کیا تو مثل بے آب ماہی کے جان تڑپ تڑپ کے نکل جائے گی۔ اس کا خط پڑھنے کے بعد فرمایا: "اس کی تو مثال ایسی ہوئی کہ ایک شخص کہتا ہے کہ اپنا فلاں مکان میرے نام رجسٹری کردو۔ ورنہ تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا۔"

•

ایک صاحب مجلس میں اس طرح بیٹھے تھے کہ تمام منہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا دیکھ کر فرمایا:

"یہ چوروں کی طرح یا جیسے کوئی سی آئی ڈی ہوتا ہے اس طرح کیوں بیٹھے ہو۔ کیا مجلس میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے؟ آخر عورتوں کی طرح سے گھونگھٹ کیوں نکال رکھا ہے۔"؟

اس سوال کا اس شخص نے اس قدر آہستہ جواب دیا کہ کوئی بھی نہ سن سکا۔ اس پر فرمایا:

"دیکھا گھونگھٹ کا اثر۔ آواز بھی عورتوں جیسی ہوگی کہ کوئی بھی نہ سن سکا۔"

•

ایک سلسلہ گفتگو میں بطور ظرافت فرمایا "آج کل جس قدر نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں ان کے نام بھی وحشتناک ہیں۔ مثلاً ہول ڈر کہ ہول بھی ہے اور ڈر بھی، موٹر عربی لفظ ہے جس میں موت بھی ہے اور مر بھی۔

•

توکل کے متعلق مجلس میں تذکرہ ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا توکل کا استعمال تو دین کے لئے ہی رہ گیا ہے۔ دنیا کے کاموں میں کوشش کرتے ہیں، سعی کرتے ہیں، دوڑ دھوپ کرتے ہیں، لیکن دین کے کاموں میں توکل کرتے ہیں۔ اس توکل کی مثال ایسی ہی جیسے کوئی تو نکاح کرنا چھوڑ دے اور توکل پر اولاد کی تمنا کرے۔ کیا اس طرح اولاد پیدا ہوگی۔

•

ایک شخص بیعت کرنے پر اصرار کر رہا تھا۔ حضرتؒ نے اس کو لکھا کہ بیعت کرنا ضروری نہیں، اس پر اس نے لکھا کہ بیعت کرنا ضروری ہے۔ حضرتؒ نے لکھا۔ جب تم خود محقق ہو تو غیر محقق سے کیوں رجوع کرتے ہو؟ دوسرے اس اختلاف میں تم غیر ضروری کو ضروری اور میں ضروری کو غیر ضروری سمجھ رہا ہوں۔ اس صورت میں یا تو میں جاہل ہوں یا تم۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ حضرت میں ہی جاہل ہوں۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے جواب میں لکھ دیا میں بھی متفق ہوں۔

•

ایک شخص نے بیعت ہونے کے لئے لکھا اور الفاظ یہ استعمال کئے کہ مجھکو اپنی فرزندی میں داخل کر لو۔ حضرت نے لکھا "شریعت میں دو شخصوں کا فرزند ہونا جائز نہیں اپنے باپ کے تو فرزند ہو ہی۔ دوسروں کے کیسے ہو سکتے ہو۔"

•

ایک شخص نے دریافت کیا کہ کافر سے سود لینا حرام کیوں ہے؟۔ حضرتؒ نے جواب میں پوچھا کہ کافر عورت سے زنا کیوں حرام ہے؟ اس پر سوال کرنے والے نے کہا کہ علماء کو اتنا خشک نہیں ہونا چاہیئے۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ جہلاء کو اتنا تر بھی نہ ہونا چاہیئے کہ ڈوب ہی جائیں۔

•

مروجہ اسکولوں اور کالجوں کے متعلق فرمایا "یہ کالج نہیں بلکہ فالج ہیں، کیونکہ دین کی حس ان میں تعلیم پاکر نہیں آرہی۔"

•

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت ایک مکان کی بنیاد رکھی گئی اس میں تین یا چار پرانی قبریں نکل آئی ہیں، اس صورت میں وہاں مکان بنا سکتے ہیں؟ - فرمایا جب قبریں پرانی ہو جائیں تو وہاں مکان بنا سکتے ہیں۔ مُردوں سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ مُردوں سے ڈرا کرتے ہیں۔

•

حضرت کو کھانسی آرہی تھی۔ ایک شخص نے کہا کہ حضرت شریفہ میوہ جات میں اچھی چیز ہے۔ ممکن ہے کہ کھانسی کے لئے مفید ہو۔ حضرت نے چونکہ دو شادیاں کر رکھی تھیں اس لئے مزاحاً فرمایا کہ اگر آپ لائیں تو کسی شریف کو لائیں، شریفہ کو نہ لائیں۔ وہ ہی بہت ہیں۔ کوئی فوج تھوڑا ہی جمع کرنی ہے۔

•

ایک شخص نے خط لکھا جو پڑھا نہیں جاتا تھا۔ اس خط میں یہ مضمون درج تھا کہ میں نفس کی اصلاح کرانا چاہتا ہوں۔ حضرت نے لکھا کہ نفس کی اصلاح سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ خط کی اصلاح کریں۔

•

ایک صاحب نے کہا کہ فلاں صاحب نے کہا ہے کہ گاندھی جی کے پیچھے نماز پڑھنے میں اتنا نقصان نہیں ہے جتنا دیوبندی کے پیچھے نماز پڑھنے میں ہے۔ فرمایا کیونکہ گاندھی جی کے پیچھے نماز مکروہ بھی نہیں ہوگی۔

(یعنی سرے سے ہوگی نہیں)

•

ایک صاحب کا خط آیا کہ ایک روپیہ نذرانے کے لئے منی آرڈر کردوں گا۔ آپ چاروں سلسلوں کی اجازت دے کر بندہ کو بہرہ مند فرمائیں۔ اس پر فرمایا " یہ ایک روپیہ میں خلافت لینا چاہتے ہیں۔

•

ایک اور صاحب کا خط آیا کہ آپ بزرگ کامل اور مدلل ہیں۔ فرمایا بہشتی زیور جو مکمل اور مدلل چھپا ہے اس کے لئے بیچارے نے لکھا ہے کہ تم بھی مکمل و مدلل ہو۔

•

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا "ایک صاحب کہتے تھے کہ ایسا ترجمہ ہو کہ ترجمہ معلوم نہ ہو۔ میں نے کہا کیوں کیا گناہ ہے؟ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ابا کو ایسے کپڑے پہناؤ کہ ابا معلوم نہ ہوں۔

•

فرمایا کہ ایک مولوی کا خط آیا ہے۔ عجیب نام ہے قیاس گل۔ پھر فرمایا کہ گل بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک پھول اور دوسرا حقے کا گل۔ ایک مولوی صاحب نے کہا حضرت ایک چراغ کا گل بھی تو ہے۔ فرمایا ہاں صحیح ہے۔ پھر اس پر ہنس کر کے فرمایا کہ ان مولوی صاحب نے مجھ سے جو باتیں پوچھی ہیں ان میں مجھ کو دوسروں پر قیاس کر کے قیاس کو گل کیا ہے۔

مسلسل

ظہوڈھال (فتحپور) کی افتتاحی تقریب

میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اہم تقریر

وہ یہ بتائیں کہ بھائی خدا کو یاد کرو موت کو یاد کرو، مقصد زندگی کو یاد کرو، کچہریوں میں جن کا دماغ تھک چکا، دفتروں میں جن کا دماغ زخمی ہو چکا، کچل چکا، اور گھروں میں سوائے معاش سوائے ترقیوں کے سوائے تبادلوں، سوائے افسروں کے مزاج، افسروں کے اخلاق افسروں کی خوشی بداخلاقی کے قصوں کے سوا اور کوئی قصہ نہیں آخر کوئی جگہ ایسی ہونی چاہئے جہاں آدمی کچھ اور سنے، میں لکھنؤ میں رہتا ہوں، صبح مجھے ٹہلنے کی عادت ہے مجھے دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے جو پارٹیاں نکلتی ہیں میرے پاس سے یا جن کا آمنا سامنا ہوتا ہے وہ اپنے صبح کے ٹہلنے میں بھی یہی تذکرے کرتے ہیں کہ فلاں افسر بہت اچھا آیا ہے، فلاں ڈپٹی صاحب بہت اچھے مزاج کے ہیں فلاں کا تبادلہ ہو گیا فلاں نے کوٹھی بنائی فلاں کی کوٹھی تم نے دیکھی، فلاں کے لڑکے نے اب بی، اے، پاس کرلیا ہے، فلاں لڑکی کی شادی بڑی اونچی جگہ ہوئی ہے، میں کہتا ہوں کہ اللہ کے بندے یہاں بھی یہ قصے نہیں چھوڑتے حالاں کہ یہ تفریح کی جگہ ہے۔ یہاں کچھ اور قصہ اور کوئی بات کہتے مگر وہ ایسا عذاب کی طرح ان پر سوار ہے کہ دن کو چین نہ رات کو آرام، صبح ٹہل رہے ہیں تو یہی باتیں کر رہے ہیں، دعوتوں میں کسی نے چائے پر بلایا کھانے پر بلایا تو وہاں بھی میں نے یہی قصے سنے، میں سکریٹریٹ کے طبقہ میں اور آئی سی ایس، لوگوں کے پاس اور یا آئی اے ایس لوگوں کے پاس مجھے بیٹھنے کا بارہا اتفاق ہوا ہے خدا کے فضل سے بہت دنوں سے نوبت نہیں آئی گوشہ گمنامی میں پڑ گیا ہوں، ایک زمانہ میں ان ہی لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا، قرآن شریف کا درس ہوتا تھا اور یہ لوگ آتے تھے میں ان کے یہاں جاتا تھا کہیں دعوت کہیں تقریر کہیں ـــــــ ہر وقت کھٹکتا تھا ایک بات تو مجھے آپ سے کہنا ہے کہ یہ آپ کے ذمہ ہے اور آپ پر فرض ہے کہ آپ بغیر ـــــ میں ـــــ کوئی ایسا انتظام کریں کہ اللہ کے بندے اس کے لئے تیار ہوں کچھ لوگوں کی ہمتیں ایسی بلند ہوں کہ جہاں سے یہ جنس ملتی ہے وہاں سے اس کو حاصل کریں یہ دولت مولانا سید

ظہور الاسلام کو کہاں سے ملی، بیشک وہ ان کی فطرت ان کی وراثت ان کے موروثی کمالات اور سب سے بڑھ کر اللہ کی دین ہے۔ لیکن وہ گنج مراد آباد گئے وہ اس ضلع میں نہیں ہے دوسرے ضلع میں ہے میں نے، ناکہ قریب ہے ضلع اناؤ میں ہے لیکن بہر حال وہ وہاں گئے۔ اور وہاں سے وہ دولت لے کر آئے مولانا نور محمد کہاں آئے تھے شاہ پور پنجاب کے یہاں آئے اور مولانا فضل رحمان صاحبؒ سے وہ چیز ان کو حاصل ہوگئی ؏

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ضرورت اس بات کی ہے کہ یہاں کچھ اللہ کے بندے ایسے ہوں جو اپنی زندگی کو اس رخ پر ڈالدیں وہ کہیں کہ ہم یہی کام کریں گے بس وہ یہ صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں اللہ سے تعلق پیدا کریں اور میں آپ حضرات سے یہ عرض کروں گا کہ ہاں بیشک یہ حضرت مولانا سید ظہور الاسلام صاحبؒ اور حضرت مولانا نور محمد صاحبؒ یہ تو بہت اونچے لوگ تھے اور ان کی استعدادیں بہت عالی تھیں اور ان کو بہتر سے بہتر مواقع تھے نہ ہر شخص مولانا ظہور الاسلام صاحب بن سکتا ہے اور نہ مولانا عبدالسلام صاحبؒ بن سکتا ہے اور نہ مولانا نور محمد صاحبؒ لیکن اب بھی خدا کے فضل سے دین زندہ ہے اور ان ہی نمازیوں کے ذریعہ سے اپنی دعاؤں کے ذریعہ سے زندہ ہے جب میرے والد مرحوم مولانا فضل رحمان صاحب کے پاس گئے ہیں حضرت مولانا عبدالوحید صاحب نے تذکرہ کیا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ نماز اور دعا اور درود سے سب کچھ ملجاتا ہے۔ واقعہ یہ کہ نماز دعا اور درود سے سب کچھ مل جاتا ہے یہ چیزیں اب بھی موجود ہیں صرف طلب چاہیے ہمت چاہیے تھوڑی سی محنت چاہیے آپ دنیا کے لئے جو محنت کرتے ہیں میں آپ سے اگر قسم کھا کر یہ کہوں کہ اس کی دسویں محنت میں آپ ولایت حاصل کر سکتے ہیں یعنی دس گنا کم محنت کریں جو آپ نے وکالتوں کے لئے محنت کی ہے یہ دفیسریوں کے لئے محنت کی ہے الیکشن کے لئے محنت کی ہے ممبروں کے لئے زمینداریوں کے لئے، مقدمہ بازیوں کے لئے اس

کا دسواں حصہ اگر آپ اللہ کے نام پر لگائیں اور آپ نمازوں کو درست کرلیں اور اللہ کے ساتھ زندہ تعلق پیدا کرلیں اور دعائیں مانگنے کا طریقہ سیکھ لیں اور اللہ کو یاد کرنے کا اللہ کا نام لینے کا طریقہ سیکھ لیں تو اگر آپ محنت صرف کریں تو جمعہ کا دن ہے مبارک تقریب ہے آپ سے کہتا ہوں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس سے کم میں ولایت مل سکتی ہے۔ آپ کہیں گے کہ ولایت کو اتنا سستا کردیا میں نے کیا سستا کردیا اللہ نے کیا

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون الذین آمنو وکانوا یتقون۔

یاد رکھو اولیاء اللہ کے لئے نہ خوف ہے نہ حزن ہے نہ ملال نہ آئندہ کا کھٹکا نہ پیچھے کا غم اور پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کیا کیا تصور ذہن میں آتے کہ ولی کس کو کہتے ہیں۔

الذین آمنو وکانوا یتقون

جن کے اندر یہ دو صفتیں ایمان اور تقویٰ پیدا ہو جائیں

عزم بالجزم ہو تو آج بھی میخانہ اسلام اسی طرح سے آباد ہے آج بھی وہی ساقی وہی جام وپیمانے وہی اس کی فیاضی ہے لیکن کوئی پینے والا ہو کوئی مانگنے والا ہو کوئی قدر کرنے والا ہو اسلام کا میخانہ ان دکانوں کی طرح نہیں ہے ان خزانوں کی طرح نہیں جو لٹ گئے ختم ہوگئے راشننگ ہے۔

کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظوراً

ہم سب کو بھر بھر کر دیتے ہیں جھولی بھر بھر کر دینے کو تیار ہیں مانگنے والا کوئی نہیں۔ ایک بزرگ ہیں بھوپال میں واقعہ سنا ہو بہت سے لوگوں کو فائدے پہونچے اور اکثر میں نے سنا ہے۔ ایک تقریر میں نے حج کے زمانہ میں کی اور وہاں بھی یہی واقعہ بیان کیا کہ ایک بزرگ ہیں ناگپور کی طرف تاج الدین بابا شاید یہاں کسی صاحب نے ان کا نام سنا ہو بڑے مجذوب صفت بزرگ تھے۔ اور بڑے صاحب کرامات تھے اور لوگوں میں مشہور تھا کہ اگر گالی دے دیں کسی کو تو کام بنجائے پتھر پھینک کر مار دیں تو کام بن جائے لوگ بڑی تمنا کرتے تھے کہ پتھر ماریں ان کا انتقال ہو چکا تھا عرصہ ہوا ایک صاحب بمبئی جاتے ہوئے بھوپال اتر گئے اور بھوپال میں ایک بزرگ رہتے ہیں حضرت شاہ مولانا محمد یعقوب صاحب ابھی میں ان کی زیارت کرکے آیا ہوں آج جمعہ ہے پچھلا جمعہ میں نے وہیں پڑھا الحمدللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے بہت ضعیف ہیں اسی سال کی عمر ہے تو ان کا تذکرہ سنا ہوں کہ بمبئی سے ایک سیٹھ آئے کسی نے ان سے کہا کہ ایک بزرگ یہاں بھی رہتے ہیں بھوپال میں سیٹھ جی کیا اسی اتر گئے اور وہاں آئے اور پوچھا کہ یہاں کوئی بزرگ ہیں کہا جی ہاں کہا کہ میں ملنا چاہتا ہوں کہا وہ تو آرام فرما رہے ہیں دوپہر کا وقت تھا کہا

کھا کر سو گئے، کہنے لگے کہ وہ تو بمبئی سے آئے ہیں اور چلے جائیں گے۔ لوگ کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ ان کے رعب میں آکر ایک صاحب نے ان کو جگا دیا۔ اور ان کو بلایا گرانی ہوئی مگر خیال کیا کہ اللہ کا ایک بندہ آیا ہے شاید کچھ کام کی بات ہو جائے کچھ فائدہ ہو انھوں نے کہا کہ اب یہ بیچارے جو سیٹھ لوگ ہیں —— ان کو بزرگوں سے ملنے اور فائدہ اٹھانے کا سلیقہ تو آتا نہیں کسی بزرگ سے ملنے جائیں گے تو کسی اور بزرگ کے قصے سناتے رہیں گے۔ ارے بھائی تم ان بزرگ سے فائدہ اٹھانے آئے ہیں تو ان کی بات سنو اپنی بات سناتے ہیں کہ ایسے بزرگ تھے ایسے صاحب کرامات تھے۔ مطلب یہ کہ آپ بھی کوئی کرامات دکھایئے تو انھوں نے کہا حضرت تاج الدین بابا ایسے بزرگ تھے ویسے بزرگ تھے ان کی یہ کرامت اور وہ کرامت جس کو پتھر اٹھا کر مار دیں اور اس کا کام ہو گیا اور جس کو گالی دیدیں، وہ نہال ہو گیا۔ حضرت کی گفتگو کرنے کا عجب طریقہ ہے، وہ بیٹھے بہت غور سے سنتے رہے اور دلچسپی سے سنتے رہے جیسے کہ پہلی مرتبہ سن رہے ہیں کہنے لگے میں تو بڑا خوش نصیب ہوں۔ کہنے لگے یہ کیا بات ہے۔ کہا کہ تاج الدین بابا میرے یہاں روز تشریف لاتے ہیں وہ یہ سمجھے کہ شاید حضرت اونچا سنتے ہیں کیا بات ہے کہنے لگے کہ حضرت تاج الدین بابا کا وصال ہو گیا بہت دن ہوئے انھوں نے اور زور سے پکار کر کہا وہ یہ سمجھے کہ شاید حضرت سمجھے نہیں۔ انھوں نے کہا کہ حضرت تاج الدین بابا کا انتقال ہو گیا عرصہ ہوا۔ انھوں نے کہا واہ وہ تو میرے یہاں روز آتے ہیں میں تو بہت خوش نصیب ہوں آپ ان کی کرامتوں کے قصے سناتے ہیں لوگ ان کے یہاں جاتے ہیں وہ تو میرے یہاں آتے ہیں، وہ سمجھے نہیں منہ دیکھ رہے ہیں اور حضرت پہیلی بجھا رہے ہیں کہنے لگے کہ وہ تو میرے یہاں روز آتے ہیں پھر کہنے لگے میں بدنصیب بھی پرلے درجہ کا ہوں وہ جس وقت تشریف لاتے ہیں وہی وقت میرے سونے کا ہوتا ہے آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ایسی میٹھی نیند آتی ہے کہ اصل میں اسی وقت کی نیند میں مزہ آتا ہے۔ اور وہ حضرت بھی اسی وقت آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ اب وہ پہیلی نہیں بوجھ سکے کہنے لگے کہ حضرت پہیلی نہ بجھایئے آپ تو ایسی باتیں کرتے ہیں اول تو ان کا انتقال ہو گیا اگر وہ آتے ہیں کسی روحانی طریقہ پر مطلب یہ کہ آپ بھی بزرگ وہ بھی بزرگ یا کچھ آپس میں کوئی لاسلکی ہے تو پھر ایسے موقع پر کوئی سوتا ہے بھلا، ایا بچ آدمی جو اٹھ نہ سکے وہ بھی اٹھ جاتا ہے کہ ہمارے گھر میں اتنی بڑی دولت آئی۔ جب ان کو شاہ محمد یعقوب صاحب نے خوب غوطے دیئے۔ تو فرمایا کہ حضرت یہ جو آپ تعریف کر رہے ہیں تاج الدین بابا کی دراصل اللہ کی تعریف ہے جو چاہا دیا جس کا کام چاہا بنا دیا

جس کو جو چاہا دیدیا وللہ خزائن السموات والارض انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔

اس کو اتنی بھی دیر نہیں لگتی ذہیر کا تو اس کے یہاں کوئی ذکر ہی نہیں جس چیز کا ارادہ کیا بس وہ ہو گئی یہ ساری تعریف تو خدا کی ہے وہ ایسے ہی کہہ رہے تھے کہ فلاں کو بیٹا دیا فلاں کا مقدمہ جتا دیا اس کی قسمت بنا دی اور یہ کر دیا اور وہ کر دیا اور جیسے مشہور ہے کہ ڈوبی ہوئی کشتی تیرا دی ردولی کی نوکری چھین لی اور سب زندہ ہو گئے۔ یہ تو خدا کی تعریف ہے۔ یہ تنہا خدا ہی کی ہستی ہے کہ جس کو چاہے دیدے اور اس کو مطلق ہر طرح کا اختیار ہے اور پھر کہنے لگے کہ آپ نے سنا نہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آخیر تہائی شب ہوتی ہے رات کا آخری تہائی حصہ ہوتا ہے تو اللہ تبارک تعالے آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور یہ آواز دیتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں دوں ہے کوئی لینے والا جس کی جھولی بھر دوں ہے کوئی مغفرت چاہنے والا جس کی مغفرت کر دوں اور وہی وقت ہوتا ہے میرے سونے کا گویا رحمت الٰہی آتی ہے میرے گھر میں اور چلی جاتی ہے اور میں سوتا ہوں۔ ان کو یہ بتا دیا کہ اگر تاج الدین بابا نہیں تو تاج الدین بابا جن کا نام ان کے سر کا تاج تھا اور ان کی آنکھوں کا نور تھا اور ان کا عصائے پیری اور سب کچھ تھا نام تو زندہ ہے وہ قیوم ذات تو باقی ہے۔ بیشک اگر یہ بزرگان دین ہیں اور یہ اولیاء اللہ نہیں آج اگر حضرت مولانا سید ظہور الاسلام صاحب نہیں ہیں اور ان کے شیخ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب نہیں ہیں تو خدا کا فضل تو ہے خدا کا فضل کیا کہوں اللہ تو ہے اور اللہ کا دین تو ہے اور یہ نماز و روزہ تو ہے اور یہ قرآن تو ہے اور یہ مسجدیں تو آباد ہیں۔ خدا ان کو آباد رکھے ان کو ولایت کہاں ملی ان کو بزرگی کہاں سے ملی۔ کیا زمین کے اندر گھسنے سے ملی سمندر میں غوطہ لگانے سے ملی ہوا میں پرواز کرنے کا اس زمانہ میں کوئی طریقہ نہ تھا۔ ورنہ میں کہتا کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے ملی۔ پہاڑ کی چوٹی پر ملی۔ انہیں مسجدوں میں ملی۔ انہیں مسجدوں کے کونوں میں ملی۔ رات کی اندھیریوں میں ملی۔ جمعہ کی نماز سے پہلے جو وقت ہوتا ہے اس میں ملی۔ اور جمعہ کی آخری گھڑیاں جو ہیں عصر کی جن کے متعلق کہا گیا ہے بعض حدیثوں میں یہ اجابت کی گھڑی ہے اس میں ملی۔ اور تہجد کا وقت تو آپ سب جانتے ہیں تو وقت بھی موجود یہ رات بھی موجود اور یہ مسجدیں بھی موجود۔ ان مسجدوں کو خدا قائم رکھے لیکن اگر مسجدیں نہ ہوں تو خدا تو موجود اگر مسجدیں نہیں تو مسجود تو موجود ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ جگہ نہ رہے ہر جگہ مسجد جعلت لی الارض مسجدا وطہورا حدیث میں آیا ہے کہ ساری زمین ساری سطح زمین میرے

لئے مسجد بنا دی گئی ہے پاکی کا ذریعہ بنا دی گئی ہے تیمم کیا دو ہاتھ مارے اور پاک ہو گئے۔

ایک بات تو یہ ہے خدا کے فضل و کرم سے ہمارا دین زندہ ہے۔ میں یہ نہیں کہتا چھوٹا منہ بڑی بات کوئی مولانا سید ظہور الاسلام صاحب اور مولانا فضل الرحمن صاحب ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ میں سب طاقت ہے لیکن ہمیں تو مسلمان بننا ہے ہم سے مطالبہ سید ظہور الاسلام بننے کا نہیں ہم سے مطالبہ مسلمان بننے کا ہے اور اللہ کے یہاں اگر ہم مسلمان بن کر چلے گئے تو انشاءاللہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم فلاں ولی بن کر کیوں نہیں آئے ہاں یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ مسلمان بن کر بندے بن کر آئے یا نہیں ولا تموتن الا وانتم مسلمون نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو غرض کہ ہم سے صرف مسلم زندہ رہنے اور مسلم مرنے کا مطالبہ ہے۔ ہم سے سید نا عبد القادر جیلانی بننے کا مطالبہ ہوتا تو ہماری ہمت ٹوٹ جاتی لیکن ہم سے تو مسلمان بننے کا مطالبہ ہے اور مسلمان بننا اگر آسان نہ ہوتا ساری دنیا میں یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا کی دعوت عام نہ ہوتی۔ اور نہ اتنا بڑا دستر خوان نہ بچھایا جاتا یہ جنت اتنی بڑی بنائی جاتی کہ عرضھا السموات والارض

میں نے بعض تقریروں میں کہا کہ اگر جنت صرف ولیوں کے لئے تھی اور غوثوں اور ابدالوں کے لئے تھی تو اتنی بڑی جنت کی کیا ضرورت تھی یہ تو اتنی بڑی جنت ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار کہتا ہے کہ اس میں آسمان و زمین سما جائیں بھائی مکان مکینوں کی حیثیت سے بنایا جاتا ہے اگر معلوم ہوتا کہ اس میں طالب علم ہیں اور یہاں جلسہ میں کوئی نہیں آتا تو مولانا عبد الوحید صاحب اتنا بڑا ہال کیوں بناتے مولانا عبد الوحید صاحب بے خبری میں بنا سکتے تھے لیکن اللہ تعالےٰ معاذ اللہ تو بے خبر نہیں وہ العلیم الخبیر ہے تو جب اس نے جنت بنائی تو جنت آباد کرنے کا سامان بھی تو ہونا چاہئے معلوم ہوا کہ جنتی بننا آسان ہے اور اس کا راستہ سب کے سامنے کھلا ہوا ہے۔

بقیہ تفسیر

ما کانوا یفترون عقائد کے باب میں کوئی بات بے دلیل یا عقلی یا نقلی کے اپنی طرف سے گڑھ لینا افترا علی اللہ کی ایک صورت ہے یہود کے پیشواؤں اور سرداروں نے اس طرح قسم قسم کے عقاید کا ایک طومار گڑھ رکھا تھا، اور ان ہی میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہود پر آتش دوزخ (بجز برائے نام مدت کے) حرام ہے کہ ان کے لئے ان کے بزرگوں کی نسبت ہی شفاعت کافی ہے اور ان کی نجات و مغفرت بلا ایمان صحیح و عمل صحیح خود بخود محض نسلاً اسرائیلی ہونے کی بنا پر ہو جائے گی۔

بقیہ:- دل یا مسافر خانہ

ایک آدمی نے خط لکھا کہ میں ایک عورت کو اپنا کرنا چاہتا ہوں اس لئے براہ نوازش دنوازش، کوئی وظیفہ بتا دیں کہ میری سرسبجی (سرسبزی) نکل آئے۔ حضرت نے جواب میں لکھا "نوازش یہی ہے کہ توبہ کرو۔ سرسبجی اسی میں ہے۔"

•

ایک صاحب نے خط لکھ کر دریافت کیا کہ میں کون سے پھل آپ کو بھیجوں۔ ساتھ ہی پھلوں کی فہرست بھی تھی۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں حکیم صاحب سے دریافت کر کے لکھوں گا کہ کون سی چیز لا سکتے ہیں۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے کہا کہ حضرت اس فہرست میں شریفہ نہیں لکھا۔ حضرت والا نے مزاحاً فرمایا "شریفوں کا زمانہ بہت دنوں سے نہیں رہا ہے۔"

•

ایک امام صاحب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ رودولی کی مسجد میں ایک مرتبہ انھوں نے نماز پڑھائی، گرمی کا زمانہ تھا، لو چل رہی تھی اور فرش تپ رہا تھا۔ امام صاحب نے لمبی سورت شروع کر دی۔ بعد نماز لوگوں نے کہا یہ کیا کیا، ہم تو بہت پریشان ہوئے، فرمایا ذرا سی گرمی سے گھبرا گئے، وہاں دوزخ میں کس طرح رہو گے؟ اس کے بعد حضرت تھانوی نے فرمایا "کم بخت سب کو دوزخ بھیجنے کو پھرتا تھا۔"

•

ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت فلاں شخص دیندار ہونے کے باوجود مسخرے ہیں اور ان کی بعض باتیں مسخرے پن کی بیان کیں۔ حضرت نے سن کر فرمایا ان کو مس ہو گیا ہوگا۔ کسی خر سے، یہ اس کا اثر ہے۔

•

خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے جو کہ ایک بہت اعلیٰ شاعر اور حضرت کے خاص خلفا میں شامل تھے۔ حضرت تھانوی سے کہا کہ اب مجھ کو شعروں سے مناسبت نہیں رہی فرمایا اچھا ہے کہ شعروں سے مناسبت نہیں رہی۔ ورنہ درندگی پیدا ہو جاتی۔

•

ایک بار فرمایا "مجھے ماش کی دال زیادہ پسند ہے مگر ماش اچھے ہوں بدماش نہ ہوں۔

•

ایک دوست نے کہا "میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں" اس سے دریافت کیا کہ تمہارے گھر کتنے ہیں۔ اس نے کہا کہ گھر ایک ہے حضرت نے کہا کہ پھر تم ہرگز شادی نہ کرنا۔ تمہارے پاس گھر کم از کم تین ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اگر دونوں سے روٹھ گئے تو پھر جاؤ گے کہاں؟"

•

ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت اگر تعویذ سے فائدہ ہو جائے تو دوسرے کو دیدوں۔ فرمایا "ہاں — باسی تھوڑی ہی ہو جائے گا۔

•

رنگون سے حضرت کے ایک واقف حاجی داؤد صاحب کا تار آیا۔ ان کے تار کا پتہ "ایمانی" تھا۔ حضرت نے ایک انگریزی جاننے والے سے پڑھوانا چاہا انھوں نے دیکھ کر کہا کہ حضرت پتہ غلط کر دیا ہے۔ حروف میں تقدیم تاخیر ہو گیا ہے۔ حضرت نے مزاحاً فرمایا تار والوں نے "بے ایمانی" سے لکھ دیا ہے۔" (زندگی لاہور)

بقیہ:- عربوں کا دور مظلومیت

کے ٹائٹس نے انھیں نکالا تھا۔ اخوریوں اور بخت نصروں کو قبروں سے اٹھالائیں اور ان سے اخراج کا انتقام لیں اگر ایک ہزار نو سال بیشتر سے خارج شدہ یہودیوں کو ان کی اصل جگہ پر بسانا ہے تو برطانیہ اور امریکہ کا حشر کیا ہوگا۔

یہ فتنہ برطانیہ نے پہلی عالمی جنگ کے زمانے میں بپا کیا تھا۔ جو "حق بقا" آج دنیا کے سامنے پیش ہو رہا ہے یہ ۱۹۲۰ء کے بعد شروع ہوا اور اس پر ابھی نصف صدی بھی پوری نہیں ہوئی۔ کیا اس "حق بقا" کے لئے ان عربوں کو گھروں سے نکالا جائے گا جو کم از کم چودہ سو سال سے یقیناً وہاں موجود اگر امریکہ کی طاقت اور دولت کا نشہ اس قسم کے اخراج کو جائز قرار دیتا ہے تو کوئی کیے اور کہنے کی گنجائش بھی کیا ہے؟ اس بنا پر اسرائیل کی امداد امریکہ کے لئے اتنی نازیبا ہے کہ اس کے کار فرماؤں کی ذہنی حالت پر تعجب ہوتا ہے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ صدر روزویلٹ یالٹا میں شرکت کے لئے آئے تھے تو واپسی میں سلطان عبد العزیز مرحوم والی دولت سعودیہ سے ملاقات کے لئے سویز پہنچ گئے تھے۔ سلطان نے دعوت قبول کر لی جب روزویلٹ نے یہودیوں کا سوال اٹھایا۔ ساتھ ہی ان پر نازیوں کے بے پناہ ظلم و جور کی داستانیں سنائیں جو خاصی دردناک ہوں گی تو جانتے ہیں سلطان عبد العزیز مرحوم نے کیا جواب دیا؟ یہ کہ
۱- یہودیوں پر ہٹلر اور نازیوں کے ظلم و جور کے تلافی کے ذمہ دار عرب نہیں۔
۲- امریکہ میں خاصے وسیع خطے ہیں جہاں یہودیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں آباد کیا جا سکتا ہے۔ عربوں کے لئے کیوں یہ مصیبت پیدا کی جا رہی ہے۔

ولیم راجرس یا نکسن یا کسی دوسرے امریکی کے پاس ان باتوں کا کیا جواب ہے؟ روزویلٹ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد ٹرومین نے یہودیوں کی یہ خواہش پوری کر دی یعنی اسرائیلی حکومت قائم ہو گئی، عرب پناہ گیر بے گھر ہو گئے، آئزن ہاور نے حالات متوازن رکھنے کی کوشش کی جانسن نے وہ سب کچھ کیا جس کی توقع کسی کو نہ تھی نکسن بھی بظاہر اس کے نقش قدم پر چلا جا رہا ہے لاکھوں عربوں کی خانماں بربادی کسی ٹرومین، کسی جانسن اور کسی نکسن کے لئے قابل توجہ نہیں سمجھی گئی حالانکہ ان بے زبان عربوں کا خون، واہان اور گولڈا میر کو یا کسی دوسرے صہیونی یہودی سے کم سرخ نہیں۔ وہ بھی ویسے ہی انسان ہیں جیسا کوئی یہودی یا امریکی ہو سکتا ہے بلکہ بدرجہا بہتر انسان ہیں کیونکہ انھوں نے کبھی کسی کا حق غصب کرنے سے اپنی نیت آلودہ نہیں کی۔ کیا ان کے "حق بقا" کا بھی اس جمہوریت کو کوئی احساس ہے جس کی بنا واشنگٹن نے انسانیت کی بھلائی کے خیال سے رکھی تھی۔

اہم مسائل

مسئلہ کی حیثیت واضح ہو گئی۔ لیکن اس کے متعدد پہلو ہیں جن پر مفصل بحث ضروری ہے۔

۱- امریکہ نے حال میں پھر اسرائیل کو فینٹم اور سکائی ہاک قسم کے طیاروں کی خاصی تعداد دینے کا فیصلہ کیا ہے امریکہ یہ امداد جب چاہے دینا چاہتا تھا۔ مگر اسرائیل کے اصرار پر اس کا اعلان کیا گیا۔

۲- ان حالات میں دنیا کی تمام حق شناس اور امن دوست حکومتوں اور قوموں سے مل کر طے کرنا چاہئے کہ آخر اس آئے دن کی مصیبت کا علاج کیا ہے؟ یہ انجمن اقوام متحدہ کے مقاصد کی پیش برد نہیں بلکہ اثرات کی نوعیت سامراجی حرکت ہے اور سامراج کسی بھی نوعیت کا ہو۔ اس کی ہوا جس دماغ میں ہو جائے وہ اس وقت تک توازن پیدا نہیں کر سکتا جب تک اس میں دم ہو۔

۳- اس سلسلہ میں یہ سوال بھی سامنے آئے گا کہ پیش نظر صورت حال میں انجمن اقوام متحدہ کو کمزور و بے دست و پا تو میں کس وجہ سے مفید سمجھیں اور کیوں اس سے وابستگی قائم رکھیں۔

۴- خصوصیت سے عرب اسلامی ممالک و اقوام کا معاملہ ہے وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ جس پالیسی پر اب تک کاربند رہے اس سے عربوں کو مصر، شام، اردن اور لبنان کو کیا فائدہ پہنچا، کیا ان ملکوں کے دور مظلومیت کو ختم کرنے کی کوئی موثر صورت ہے؟ اگر خدانخواستہ مصر، اردن، شام اور لبنان ختم ہو گئے تو باقی ملک اپنے بچاؤ کے لئے کس آہنی دیوار کی پناہ ڈھونڈیں گے؟

اردو میں حدیث کی کتابیں

بخاری شریف عربی مع ترجمہ اردو	۳ جلد	۶۰	روپیہ
مسلم شریف	۶ جلد	۶۰	"
مشکوٰۃ شریف	۳ جلد	۳۶	"
مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف	۵ جلد	۶۵	"
معارف الحدیث مکمل	۵ جلد	۳۰	"
مسند امام اعظم اردو		۱۰	"
انتخاب صحاح ستہ اردو		۶	"
زاد سفر اردو		۲½	"
تجرید بخاری اردو		۷	"
مشارق الانوار اردو		۱۲	"

ملنے کا پتہ: خورشید بکڈپو قریب ٹی الخانہ۔ امین آباد۔ لکھنؤ

(بقیہ مرد مومن)

تو مرد میداں تو میر لشکر
نوری حضوری ترے سپاہی
کچھ قدر اپنی تونے نہ جانی
یہ بے سوادی یہ کم نگاہی!
دنیائے دوں کی کب تک غلامی
یا راہبی کر یا پادشاہی

یہ ایک مکمل نمونہ تھا ورنہ اقبال کا پورا کلام ہی ان مخوت کا حامل ہے جس میں مرد مومن اور مسلم نوجوانوں کو اس تہذیب کے خلاف ہوشیار کیا گیا ہے جس کی نگاہ میں یہ دنیا قلب و روح اور بشری امکانات کی دنیا نہیں بلکہ تجارت کی منڈی شراب کی بھٹی اور قمارخانہ عہدوں کی کشمکش کا اکھاڑہ اور قیادت و سیاست کی رزم گاہ ہے۔

(بقیہ تہذیب مغرب اور اسلام)

لیکن مسلمانوں اور غیر مسلموں میں خوشیوں کے معیار میں کتنا عجیب فرق ہے۔ مغرب میں ایک عورت کے نزدیک مسرت کا مفہوم ہے۔ کم سے کم ذمہ داریاں، مصنوعی خوشیاں اور مادی اسباب عیش و مسرت۔ لیکن ایک مسلم خاتون کے لئے خوشی کا معیار اس سے مختلف ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم خوشحال ہیں۔ میرے بچے میری توجہات کا مرکز ہیں میرے نزدیک وہ ذمہ داری کا تکلیف دہ بوجھ نہیں بلکہ میری نسوانی مسرت کی معراج ہیں میں اپنے گھر کے کاموں کو اپنے لئے باعث ذلت نہیں سمجھتی بلکہ گھر کی صفائی کھانے پکانے برتن دھونے اور اس طرح گھر کے دیگر مختلف کاموں کو انجام دینے میں خوشی محسوس کرتی ہوں۔

سراپا شکر و سپاس: دیگر خواتین جس تفریح و سکون کی خاطر باہر کے سیر سپاٹے کرتی ہیں وہ مجھے گھر ہی پر اپنے بچوں کی صحبت میں میسر آجاتا ہے جب میں اپنے بچوں سے باتیں کرتی ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا کی جاگیر میرے ہاتھ آگئی ہے میرا پانچ سالہ بچہ مجھ سے دن بھر سینکڑوں سوالات پوچھتا ہے اور میں اسلام کی بنیاد پر اس کی ذہنی، فکری، اخلاقی اور عملی تربیت کرتی رہتی ہوں مجھے اس بات کا ہرگز افسوس نہیں ہوتا کہ میں اپنے خاندان کی آمدنی میں ملازمت کرکے اضافہ نہیں کر پاتی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت پر جو وقت صرف ہوتا ہے میں اسے ضائع نہیں سمجھتی بلکہ اسے خدا کی رحمت تصور کرتی ہوں کہ ننھا فرشتہ میری توجہ اور تربیت کا محتاج و مستحق ہے جو بڑے اشتیاق سے اس وقت کا انتظار کرتا رہتا ہے جب کہ میں اسے اپنے پاس بٹھا کر قرآنی قصے نبی اور ان کے برگزیدہ ساتھیوں کے حالات سناتی ہوں اور اس طرح اس کی سیرت کی تعمیر کرتی ہوں تاکہ بڑا ہو کر وہ اس سرزمین پر اپنے مقصد وجود کا شعور حاصل کر سکے۔

حقیقی مسرت: سب سے قیمتی شے کیا ہو؟ کیا ایک جھلملاتی جدید ترین ماڈل کی کار یا ایک خوبصورت آرام دہ بنگلہ یا وہ بچہ جس پر اس کی ماں فخر کر سکے کہ اس نے اس کی ایک سچے مسلمان کی تربیت کی ہے؟ ہم میں سے بہت سی خواتین سمجھتی ہیں کہ ان کی کوشش اور توجہ کے بغیر ہی ان کے بچے اچھے بن جائیں گے وہ اپنی ساری توجہ اور کوششیں مادی فائدوں کے حصول میں لگا دیتی ہیں۔ بہت سے لوگ جواہرات عمدہ کاریں اور کوٹھیاں رکھتے ہیں لیکن ان کی اولاد مسموم ماحول اور خراب تربیت کی وجہ سے سماج کے لئے لعنت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ جھونپڑوں میں رہنے اور پیدل چلنے پر آمادہ ہو جائیں گے اگر ان کی اولاد نیک بن جائے جس پر وہ فخر کر سکیں۔

سکونِ قلب: خدا کا شکر ہے کہ مجھے اسلام قبول کئے ہوئے دس سال ہو رہے ہیں میں نے اپنا وقت گھر پر امور خانہ داری اور بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت میں گذارا ہے۔ اور ہمیشہ خوش و خرم رہتی ہوں میں پوری ذمہ داری اور دیانت داری سے کہہ سکتی ہوں کہ مغرب کی ایک انتہائی کامیاب خاتون کے مقابلہ میں ایک مسلم خاندان کی خاتون کو لاکھوں گنا عزت و وقار سکون اور آرام میسر ہے۔ ایک مسلم خاتون اپنے شوہر کی اطاعت کرتی اور اسے خوش رکھتی ہے اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کرتی ہے اور اس طرح اپنی، اپنے شوہر اور بچوں کی دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی کی جدوجہد میں معاون بنتی ہے۔

بقیہ مضمون تکبر کی حقیقت

پس جب ایک عالم تکبر کرتا ہے اور جو لوگ علم میں اس سے کمتر ہیں، انھیں ذلیل و حقیر سمجھتا ہے ان سے دور رہتا ہے انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے ان سے خالص خادموں کی طرح خدمت لیتا ہے تعلیم پر احسان جتاتا ہے ان کے مقابلہ میں بڑا بنتا ہے۔ ان سے کشیدہ رہتا ہے تاکہ وہ اسے سلام کریں۔ ان کا مذاق اڑاتا ہے اگر وہ اس کی تعظیم میں کوتاہی کریں تو ان سے ناراض ہو جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کی اصل وجہ تکبر ہے یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان پر اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی تعظیم کریں تکبر ہی کی وجہ سے مناظرے میں فریق مخالف کی حق بات کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے منطقی بحثوں میں الجھا دیتا ہے اگر کبھی وعظ کرتا ہے تو لوگوں پر تشدد کرتا ہے اور اگر کوئی اسے نصیحت کرے تو تکبر ہی کی بنا پر غضب ناک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت معاذؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمائی ہے کہ "علماء میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب وعظ کہتے ہیں تو ناک چڑھا کر کہتے ہیں اور اگر انھیں نصیحت کی جائے تو تشدد پر اتر آتے ہیں۔ اور اگر ان کے حق میں کمی ہو جائے یا ان کی بات رد کر دی جائے تو غضب ناک ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ علماء کے ساتھ طبقے ہیں کیوں کہ عالم یہ سمجھتا ہے کہ میں عوام سے برتر ہوں اور عوام مجھ سے کمتر ہیں۔ وہ عوام کی بات قبول نہیں کرتا نہ ان کی نصیحت قبول کرتا ہے انھیں سکھانے میں یا وعظ میں نرمی برتنے سے شرم محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ مساویانہ حیثیت سے بات نہیں کرتا کیوں کہ اس کے نزدیک عوام اس جیسے نہیں ہیں وہ انھیں بھی حقیر سمجھتا ہے جو تقوے میں اس سے کمتر ہیں اور انھیں بھی جو تقوے میں اس سے برتر ہیں انھیں ایسی حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جیسے وہ گدھے ہوں جن کو عقل نہیں ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میرا علم اس قدر ارفع ہے کہ عوام اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اور اگر کوئی شخص اس کے علم سے فائدہ حاصل کرے تو بھی اسے حقیر سمجھتا ہے۔

یہ سب باتیں اس بنا پر پیدا ہوتی ہیں کہ متکبر جاہل باللہ ہوتا ہے۔ اور عوام اس سے زیادہ عالم باللہ ہوتے ہیں کیوں کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔ وہ عالم کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر عالم انکو ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ (عالم متکبر) خود ذلیل ہے اور وہ (عوام) سربلند ہیں۔ جو تواضع اختیار کئے ہوئے ہیں۔

یاد رکھو! باری تعالیٰ اسی کو حقیر کر دیتا ہے جو تکبر کرتا ہے اور اسے سربلند کر دیتا ہے جو تواضع اختیار کرتا ہے۔ یہ شخص عوام کو حقیر جانتے ہوئے تکبر کرتا ہے یعنی اپنے علم پر فخر کرتا ہے اور انھیں ان کی جہالت پر عار دلاتا ہے ان کے حقوق تلف کرتا ہے۔ ان پر احسانات جتاتا ہے پس یہ شخص اپنے علم کے اعتبار سے جبار ہے اور متواضع نہیں ہے۔

ان علماء میں بعض ایسے ہیں جو ان عادتوں میں سے بعض عادتوں سے بچتے ہیں بعض عادتوں کی وجہ سے تکبر اختیار کئے رہتے ہیں تو جیسے علم میں سے کچھ بھی عنایت ہوا ہو اسے اپنے سے کمتر لوگوں کے ساتھ تکبر کی کیفیت پیش آہی جاتی ہے اور بعض ایسے ہیں جو اپنے علم کے بارے میں انتہائی درجہ کا تکبر اختیار کرتے ہیں۔

میں نے کہا "علم تو بندے میں تواضع بڑھاتا ہے لیکن اس تصریح سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علم جہالت اور تکبر میں اضافہ کرتا ہے"۔ انہوں نے کہا کہ علم کی حالت ایسی ہے جیسی حضرت وہب کے اس قول سے عیاں ہو کہ علم بارش کی طرح ہے کہ آسمان سے تو صاف اور میٹھا پانی اترتا ہے اور سب درخت اس پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر تمام درخت اس پانی کو اسی ذائقہ پر لے آتے ہیں جو ان کا ذاتی ذائقہ ہوتا ہے۔

یاد حرمین شریفین

محمد وارث حسین کرمانی

مجھے بندگی اسی کی بخدا پسند آئی
نہ شریک کوئی جس کا نہ پسر نہ باپ بھائی
وہ علیم غیب جسکو ہے شہود کے برابر
وہ حلیم جسکو زیبا ہے ردائے کبریائی
وہ کریم ہے وہ رب ہے وہ رحیم ہے وہ رحمٰن
وہ ہے دافع مصائب وہی مالک خدائی
یہ کرم کا تھا اشارہ کہ مکاں ہو ایک جس جا
کریں ذوق دل کو ظاہر وہ جو اسکے ہیں فدائی
یہ رضا ہے حق تعالیٰ کہ بنائے کعبہ رکھے
وہ خلیلؑ جس نے گردن بہ ہر ابتلا جھکائی
یہ ہے بیت رب واحد کہ ہے نام جس کا کعبہ
یہاں سیکھتی ہے دنیا رہ و رسم پارسائی
مجھے پھر عطا کی اسنے حرمین کی زیارت
جو میں گڑگڑا کے رویا تو مرادِ دل بر آئی
یہ ہے بخت کی بلندی یہ نصیب کی رسائی
کہ ملا ہے ملتزم پہ مجھے فخر جبہ سائی
وہ طواف وہ نمازیں بہ مقام ابراھامیؑ
کریں روح کو شگفتہ بفیوض کبریائی
بہ تمام شوق پھرے وہ صفا سے تا بہ مروہ
وہ خوشی کہ آب زمزم سے یہ تشنگی بجھائی

بخیال جرم و عصیاں کبھی اشکبار ہوتا
وہ دعائیں مغفرت کی بہ حریم کبریائی
نہ حساب لے مرا تو، مجھے کر عطا تو جنت
عرفات و ملتزم پر یہ دعا زباں پہ آئی
مجھے خواب میں زیارت ہو شفیع مذنبیں کی
مجھے پھر بلا۔ مٹا کر مرا عذر بینوائی
چلو شہر کو نبیؐ کے۔ ہوا دل کا یہ تقاضا
بہ در شفیع محشر کروں چل کے جبہ سائی
یہ مقام ہے ادب کا جو ہے عرش سے بھی اعلیٰ
کہ ملائکہ بہ مژگاں یہاں کرتے ہیں صفائی
نہ ہو فوق صوت اقدس کوئی لفظ ادا دہن سے
یہی ہم کو ہے ہدایت یہی حکم ہے خدائی
یہ ادب سے التجا کی کہ کریں وہی شفاعت
جو حضورؐ روز محشر تو ہو نار سے رہائی
وہ بقیع میں پہونچنا وہ قبا کی رکعتیں دو
ہے ثواب عمرہ جن میں بزبان مصطفائی
بہ ہزار رنج فرقت میں ہوا وہاں سے رخصت
میں پھر آؤں یا محمدؐ کہ یہ سخت ہے جدائی
جو مدینہ پیچھے چھوڑا تو خیال دل میں آیا
وہیں کیوں نہ مر گیا میں وہیں کیوں نہ موت آئی
جو ترا کرم ہو یارب تو نہیں ہے دور وہ دن
کہ بقیع پہونچے میری یہ چمکتی چارپائی
حرمین کی دعائیں جو قبول ہوں تو وارث
یہ ہے لطف مصطفائی یہ ہے فضل کبریائی